دفتر اوّل

نشست اوّل

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

بانسری سے سن کیا بیان کرتی ہے۔ وہ جدائیوں کی (کیا) شکایت کرتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo

الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلی آلک وأصحابک یا شفیع المزنبین.

معزز حاضرین! بڑی سعادت اور بہجت افزا کیفیت ہے کہ اس ماہِ مقدس میں جہاں ہر جگہ ذکرِ الٰہی اور ذکرِ نبی ﷺ، ارشاداتِ قرآن اور فرموداتِ محمدی ﷺ کے جلوؤں سے بیان کرنے والے اور سننے والے تمام کے سینے روشن ہو رہے ہیں۔ یہ سارا مہینہ تصوف کی جلوہ گری کا مہینہ ہے۔ از اوّل تا آخر یہ ۲۹ یا ۳۰ دن تصوف کا زمانہ ہے۔

میں اپنے مضمون سے ہٹنا نہیں چاہوں گا لیکن یہ محبت والوں کی مختصر، جاندار، حسین اور پرکشش محفل کا تقاضا ہے کہ کچھ تمثیلات بیان کیے بغیر زیرِنظر کتاب میرے اور آپ کے درمیان سلسلہ گفتگو کی بقاء کا وسیلہ بننے والی یہ کتاب جسے مثنوی مولانا رومؒ کہتے ہیں۔ قرآن عظیم کے بعد احادیث مصطفوی ﷺ کے بعد دنیائے علم و عرفان میں مثنوی کو جو مقام حاصل ہے اسے اہل دل اچھا جانتے ہیں۔

تعارف حضرت جلال الدین رومیؒ

مولانا رومؒ، جلال الدین رومیؒ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، فاضل، محقق، مدرس اور مفتی تھے اور عوام وخواص کے مرجع تھے اور ان کے ہم عصر جملہ اکابر بھی حصول علم کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ بہت بڑے بڑے اہم مسائل پر فتویٰ بھی دیتے۔ بچپن سے آپ کی سرشت میں ریاضت اور مجاہدہ کا شوق غالب تھا۔ طبیعت میں سعادت مندی، عبادت گزاری، نیکی، تقویٰ اور رجوع الی اللہ کا جوہر نمایاں تھا اور بہت سارے اولیائے کرامؒ اور صلحائے عظامؒ کی صحبت بھی آپ کو نصیب ہوئی تھی۔

حضرت جلال الدین رومیؒ یہ اُن کا لقب ہے۔ اصل نام اُن کا محمد ہے۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ جلال الدین آپ کا لقب ہے۔ آپ کے علمی فیضان اور جلال نے طبعی استقلال اور طمانیت نے جس طرف رخ کیا پہاڑوں کے کلیجے چر گئے اور جس طرف آپ نے رُخ کیا دل متوکل ہوئے۔ زبانیں شاکر ہوئیں، روحیں بیدار ہوئیں، نفس مطمئن ہوا اور بچھڑا ہوا انسان اپنے مالک کو پانے میں کامیاب ہوا۔ آپ اصل میں بلخ کے رہنے والے تھے اور آپ کے والد گرامی حسین یہ غازم شاہ جو افغانستان سے لے کر عراق تک تمام ایک ہی سلطنت تھی اور وہ اس سلطنت کے سلطان، بادشاہ اور حاکم تھے۔ جلال الدین رومیؒ کی والدہ اُن کی صاحبزادی تھیں۔

بادشاہ نے جب اُن کا علمی مرتبہ اور تصوف کی جلالت اور لوگوں میں اُن کا احترام اور تمکنت وعظمت اور شہرا دیکھا تو بادشاہ نے انتہائی حسینہ جمیلہ، بے مثل، خوش شکل، عقلمند اور سیرت وصورت میں بے مثال اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کروا دیا اور ان کے بطن اطہر سے، اُس کے پاک نفس سے حضرت جناب محمد جلال الدین رومیؒ پیدا ہوئے۔

وہاں سے ہجرت فرمائی تو آپ نیشاپور آئے۔ نیشاپور عراق و ایران کی سرحدوں پر واقع ایک خوبصورت ریاست ہے، وہاں آپؒ نے کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ طبیعت اُداس ہوئی مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، شام، عراق، نیشاپور، افغانستان اور بلخ کے علاقوں میں جس قدر دنیائے علم وعرفاں کی سورج تھے سب سے علمی کرنیں حاصل کیں اور اپنے زمانے کے بے مثال اور بے تاج بادشاہ اور متبحر عالم ہوئے۔

وہاں جب نیشاپور میں ٹھہرے تو اپنے والد گرامی سے عرض کی یہاں دل نہیں لگتا۔ تو والد گرامی فرمانے لگے: بیٹے! میری بھی یہی کیفیت ہے چلو یہاں سے نکلتے ہیں اور سیدھے قونیہ چلے جاتے ہیں۔ جب قونیہ آئے وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ جوانی کی عمر تھی آپ نے تدریس شروع کر دی۔ حدیث شریف، قرآن پاک، فقہ، اصول، صرف، نحو، منطق پڑھانے کے ساتھ ساتھ تمام متداول علوم آپ نے پڑھائے۔ آپؒ پچاس قسم کے علوم کے عالم تھے اور وہ آپ پڑھاتے چلے گئے اور آپ نے اشعار میں ایک کتاب لکھی۔ اُس کتاب میں پچاس ہزار اشعار لکھے۔ لیکن طبیعت میں جولانی، تڑپ، پھڑک، سوز وگداز جیسے کے کسی مہمان محبوب کی آمد ہو اور آدمی بے قرار ہو۔ ابھی تک اتنے شہرۂ آفاق عالم ہونے کے باوجود اطمینان میسر نہ آیا۔

حضرت شمس الدین تبریزؒ سے ملاقات

ایک وقت آیا جب آپ کا شغل تدریس، شغل تحقیق اور شغل علمی عروج پر تھا۔ آپ کی ملاقات حضرت شمس الدین تبریزیؒ سے ہوئی جو آپ کے شیخ ہیں۔ وہ ملاقات کیسے ہوئی اس پر روایات مختلف ہیں۔

ایک روایت تو یوں ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزیؒ اپنے دور کے بہت بڑے ولی اللہ تھے اور صاحب جذب تھے، انہوں نے اللہ رب العزت کے حضور ایک روز دعا مانگی کہ باری تعالیٰ مجھے کوئی ایسا بندہ عطا کر جو میری توجہ کا اور صحبت کا متحمل ہو سکے، جسے اپنی صحبت میں رکھوں اور اپنی توجہ سے نوازوں اور وہ اسے برداشت کر سکے اور اُس کا فیض پا سکے۔

اس غرض سے شمس الدین تبریزیؒ روم چلے گئے۔ یہ خطہ اُس وقت روم کہلاتا تھا، اس کے شہر قونیہ میں پہنچے۔ وہاں ایک جگہ تھی جہاں عمائدین شہر، امراء، علماء اور بڑے اچھے پڑھے لکھے لوگوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ حضرت شمس الدین تبریزیؒ بھی اسی اجتماع میں بیٹھنے لگے۔

ایک روز مولانا رومؒ سے اُن کی ملاقات ہوگئی۔ مولانا رومؒ کو اُن کی آمد کا پتہ چلا وہ اُن کی زیارت کے لیے نکلے۔ ملاقات کی، آنکھیں چار ہوئیں، شمس الدین تبریزیؒ پہچان گئے کہ یہی وہ شخص ہے جس کی خاطر مجھے یہاں بھیجا گیا ہے، یہ میری صحبت اور توجہ کا متحمل ہے۔

اس کے بعد مولانا صلاح الدین زرکوبؒ ایک عالم تھے یہ چاندی اور سونے کے ورق جو بناتے ہیں وہ ورق بناتے تھے۔ اُن کا حجرہ تھا وہ مولانا رومؒ کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔

آپ کے عقیدت مندوں اور نیاز مندوں میں سے تھے۔ چالیس دن تک حضرت شمس الدین تبریزیؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ اکٹھے اس حجرے میں چلہ کش رہے۔ چالیس دن تک اس حجرے میں خلوت نشین رہے اور حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ نے انہیں تنہا اپنی صحبت میں رکھ کر چالیس دن تک توجہ دی۔ اس سے مولانا رومیؒ کی حالت بدل گئی۔ بالکل حالت متغیر ہوگئی۔ جب چالیس دن کی صحبت کے بعد باہر نکلے تو علمی شغل شغف چھوٹ گیا تھا۔ پڑھنا پڑھانا چھوٹ گیا تھا، فتویٰ نویسی چھوٹ گئی تھی۔ اُن کے اوپر ایک سُکر، جذب اور غلبہ محبت کی ہر وقت کیفیت طاری رہنے لگی۔ درس بھی چھوٹ گیا لوگ مسائل کی خاطر رجوع کرتے تھے وہ بھی معاملہ بند ہوگیا۔

اُن کی کیفیت ہر وقت آپ پر طاری رہتی۔ یہ حالت دیکھ کر اہل شہر اور آپ کا خاندان اور قریبی لوگ وہ سارے حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے مخالف ہو گئے انہیں برا بھلا کہا کہ یہ عجیب درویش آئے ہیں مولانا رومیؒ سے دینی کام چھڑوا دیا۔ تبلیغ، درس، فتویٰ اور تربیت کا سارا کام ہی چھڑا دیا۔ یہ سن کر حضرت شمس الدین تبریزیؒ قونیہ شہر چھوڑ کر چلے گئے۔

اُدھر شمس الدین تبریزؒ گلی گلی پھر رہے تھے کہ کوئی ملے جسے امانت دوں۔ میں بھی تھک گیا ہوں امانت سنبھالتے سنبھالتے۔ کوئی ملے تو حضرت شمس الدین تبریزیؒ کو ایک درویش کامل، اسرار آگاہ، حق آگاہ نے چپکے سے فرمایا: جس کو تم تلاش کرتے ہو وہ یہاں نہیں ملے گا تمہیں قونیہ جانا پڑے گا۔ وہ بھی اُدھر بے قرار ہے تم بھی

اِدھر بے قرار ہو۔ جاؤ حضرت شمس الدین تبریزؒ۔ آپ اٹھے کشاں کشاں دوڑتے، اٹھتے خیران، افتان، بھاگتے، لیٹتے، جاگتے ہوئے آپ جا رہے تھے کہ میں اپنی امانت اُس کے حوالے کر دوں اور میں اکیلا ہوں۔ تصوف میں اس رنگ و روپ میں اپنی کیفیت اور سرور میں تنہا ہوں۔ مجھے صرف ایک ہی مرید چاہیے جو مشرق سے لے کر مغرب تک میرے اس نورانی فیض کو تقسیم کر دے۔ مجھے دو مرید بھی نہیں چاہئیں ایک ہی مرید چاہیے اور وہ ایک ہی ایسا ہو کہ جو سارے زمانے کے لیے کافی ہو۔

حکم ہوا کہ قونیہ جاؤ۔ آپ قونیہ پہنچے۔ اِدھر جلال الدین رومیؒ اس انتظار میں تھے کہ کوئی آئے دل کو جِلائے۔ کوئی محبت کی شراب پلائے۔ کوئی نشہ چڑھائے۔ کوئی پردے ہٹائے۔ کوئی مجھے میرے محبوب سے ملائے۔ اُدھر (شمس الدین تبریزؒ) یہ دعا کرتے گئے کہ مجھے میری مرضی کا مرید ملے۔ میں سارا خزانہ اُس کے حوالے کروں۔

ملاقات ہوئی۔ اللہ غنی! حضرت شمس الدین تبریزیؒ نے پہلی ہی نظر میں اُس کو اپنا محبوب بنا لیا اور سلسلے میں داخل کرنے کے بعد نقشبندی سلسلے میں، قلندری سلسلے میں داخل فرمانے کے بعد بلا تامل و تاخیر سارے کا سارا روحانی فیض حضرت محمد جلال الدین رومیؒ کے سینے میں اتار دیا۔ حضرات! یہ فیض کبھی نظر سے چلتا ہے، کبھی زبان سے کچھ کہا تو گل کھل گیا یا دیکھا تو بستیاں آباد ہو گئیں یا اُس کو سینے سے لگایا سارے حجابات اٹھا کر مقام ارفع و اعلیٰ پہ فائز کر دیا۔

خلیفہ بلافصل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مفسرین کرام اور صاحب حال صالحین امت نے اپنی کتب میں حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کی بارگاہ سے جو فیض پایا اسے یوں بیان فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا أوحى الى شيء الا صَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ.

() **رازی، تفسیر الکبیر، ص ۲۵**

ہیتمی، الفتاویٰ الحدیثیۃ، ص ۳۱۴

الریاض النضرۃ

جو کچھ اللہ کی طرف سے میرے سینے میں ڈالا گیا ہے وہ سب میں نے ابو بکرؓ کے سینے میں انڈیل یا ہے۔

اور سینہ بہ سینہ فیضان یوں تقسیم ہوا کہ جس طرح اُدھر صدیق اکبرؓ کے سینے میں فیضانِ نبوت منتقل ہوا اُسی طرح صدیق اکبرؓ کی اولاد میں سے جلال الدین رومیؒ کے سینے میں شمس الدین تبریزؒ نے سارا فیضان اتار دیا۔

ذی وقار! آپ پڑھانا پڑھنا، جلسے جلوس، تقاریر ہزاروں اور سینکڑوں کے اجتماع میں دروس کا سلسلہ یہ تو ہوا ختم۔ اب پریشانی، حیرانی اور طلب بڑھتی چلی گئی۔ آگ لگتی گئی، طلب بڑھتی گئی۔ تڑپ، پھڑک کا جو سلسلہ شروع ہوا اللہ غنی حضرات! عین اُس موقع پر حضرت شمس الدین تبریزؒ نے حالات دیکھے تو غائب ہو گئے۔ وہ قونیہ سے نکلے دمشق شام کے علاقے میں چلے گئے۔ اِدھر یہ بے چین ہو گئے۔ نہ صبح کھانا نہ شام، رونا تڑپنا یہ قصہ تھا، کہاں گیا میرا محبوب۔ محبوب کے سوا

در و دیوار آئینه شد از کثرت شوق

هر کجا می دیگرم روئے تر می بینم

محبت جب انتہا پر پہنچ جائے تو پھر در و دیوار شیشہ بن جاتے ہیں اور اُس میں بھی محبوب ہی کی صورت نظر آتی ہے۔

جب اضطراب بڑھتا گیا، شوقِ محبت کی جولانیاں بڑھتی چلی گئیں، طوفان و ہیجان بڑھتے چلے گئے تو لوگوں نے چاہا کہ ہم شمس الدین تبریزؒ کو دمشق سے واپس لائیں۔ بہر حال ایک دفعہ بڑی مشکل سے راضی کر کے انہیں لایا گیا۔ لوگ ناراض تھے کہ ہزاروں انسانوں کو درس قرآن، درس حدیث دینے والا، محبت کی مئے پلانے والے کو اس طرح مدہوش و قلندر و مجذوب کر کے رکھ دیا ہے۔ بات کرو ایک اور وہ جواب دیتے ہیں کئی اور جو ہماری سمجھ سے بالا تر ہوتا ہے۔

الغرض لوگ اُن کے مخالف ہیں۔ مگر آپ آئے اور حضرت شمس الدین تبریزؒ پھر آ کے ایسے گم ہوئے کہ کسی کو ساری زندگی نہیں ملے۔ بعض نے کہا کہ مولانا کے صاحبزادے نے اُن کو قتل کر دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ازخود غائب ہو گئے۔ لیکن بہر حال اس قسم کے تاریخی شواہد موجود ہیں لیکن اُس دوران ایک مست آواز ایک دلوں کو ہلا دینے والی آواز، پگھلا دینے والی آواز، زنجیر ڈال دینے والی آواز سنی دیکھا کہ کوئی آدمی بانسری بجا رہا ہے، تو آپ نے اُسی وقت لکھا:

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

بانسری سے سن کیا بیان کرتی ہے۔ وہ جدائیوں کی (کیا) شکایت کرتی ہے۔

مثنوی شریف کا پہلا شعر بھی یہی ہے۔ اس سے آپ نے اس کتاب کا اپنے جذبات کا آغاز فرمایا اور پڑھنے والے اکثر لوگ جو وجد و حال میں پڑھتے ہیں وہ بڑی لَے اور بڑی ترنم سے پڑھتے ہیں لیکن میں بہر حال اُن کی نقل کرتے ہوئے تھوڑا سا انداز بدل کے بات کرتا ہوں۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

سبحان اللہ وبحمدہ۔ ارشاد فرماتے ہیں: گوش ہوش رکھنے والو! کلام سمجھنے میں امتیاز برتنے والو! عقل صحیح رکھنے والو! ذرا غور تو کرو۔ سلیم الفطرت مزاج لوگو! میں تمہیں دعوت دیتا ہوں سوچ تو کرو۔ یہ جو بانسری کی آواز ہے کیا کہہ رہی ہے؟ کسی نے کہہ دیا: بانسری کی آواز تو نہیں، اگر بانسری کی آواز ہے تو پھر چھوڑتے ہیں بانسری کو وہ بولتی کیوں نہیں۔ یہ تو جس نے پھونک ماری اُس کا درد ہے۔ جس نے پھونک ماری وہ رو رہا ہے۔

آپؒ نے فرمایا: وہی رو رہا ہے۔ تو پھر میں سوٹی دیتا ہوں اُن کو کہ وہ منہ کے ساتھ لگا کے پھونک مارے۔ ہم اُس کے رونے کا اندازہ کر لیں گے اور پھر یہ چھوٹی سی لکڑ ہے۔ فٹ سوا فٹ ڈیڑھ فٹ سے لمبی بھی نہیں ہوتی ایک انچ موٹی اور ڈیڑھ فٹ لمبی ہوتی ہے۔ یہ اُس درخت میں سے جس کا تنا بہت صاف ہو، باریک چھلکا ہو، داغدار نہ ہو اُس کو کاٹتے ہیں اور سائے میں خشک کرتے ہیں۔ دھوپ بھی نہیں لگنے دیتے سائے میں خشک کرتے ہیں۔ فرمایا: بات سنو! اگر بولنے اور پھونک مارنے والے کی آواز ہے تو ہر لکڑی کو پھونک کیوں نہیں مارتا؟ پھر یہ دو لکڑیاں ہیں دونوں ڈیڑھ فٹ لمبی اور ایک ایک انچ دونوں موٹی۔ دونوں کو رنگ لگا ہوا ہے مگر ایک کو بانسری کہتے ہیں اور ایک کو ویسے ہی چھڑی کہتے ہیں۔ یہ دونوں ایک ہی درخت کے دو حصے ہیں ایک بانسری ہے اور ایک ڈنڈا ہے۔

جو دیکھتا ہے (بانسری بجانی آئے کے نہ آئے مگر) جانتا ہے کہ بانسری ہے اور جو دوسرے کو ہاتھ لگا کر کہتا ہے ڈنڈا ہے اور دوسرے کو پکڑ کے کہتا ہے کہ بانسری ہے۔ ارے تو بانسری کب بنی؟ بانسری بنی تو پتہ چلا کہ بچھڑ کے آئی ہے کہیں سے، کب بنی؟ کاریگر لوگ خشک کر کے برمے کے ساتھ سوراخ کرتے ہیں اسی کے اندر پھیرتے ہیں اور وہ آہستہ آہستہ کاٹتے ہوئے وہ برما دوسری طرف سے باہر نکل آتا ہے اور وہ اندر سے صاف ہو جاتی ہے اور پھر اُس کو آگے پیچھے، اوپر نیچے، دائیں بائیں جہاں مناسب ہوتا ہے سوراخ نکال لیتے ہیں اور منہ میں رکھنے کے لیے ایک شکل مخروطی بنا لیتے ہیں اور جب وہ پھونک مارتا ہے تو اُس میں سے آواز آتی ہے۔ اب وہ کہتی ہے کہ:

اے مجھے اپنے ہاتھ میں پکڑنے والے آدمی! تو مجھے قید کر کے رکھتا ہے لیکن میرا درد سن۔ تو مجھے محبوب سے کاٹ کر لایا ہے۔ جب تک میں اپنے محبوب سے نہ ملوں گی اُس وقت تک میں پکارتی رہوں گی۔ اس لیے جناب رومیؒ فرماتے ہیں:

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

تو نے اپنے ہاتھ سے پکڑی ہوئی ہے لیکن وہ رو رہی ہے۔ کہاں ہے میرا محبوب؟ اب اس کی تشریحات جو حضرات مثنوی کی شروحات لکھتے ہیں چار شروحات اس کی موجود ہیں۔ بڑی جامع قسم کی۔ اُن چاروں نے لکھا ہے کہ یہاں بانسری سے مراد روح ہے اور جس نے ہاتھوں میں پکڑ رکھا ہے اُس سے مراد جسم ہے۔ جسم اور جگہ کا اور روح اور جگہ کی روح قرب خدا کی لذتوں سے آشنا معمور رہنے والی صبح و شام جلوؤں کی بہار دیکھنے والی، صبح و شام محبوب کے دیدار سے فیض یاب ہونے والی، جب سے اُدھر سے اتر کے تیرے اندر آئی ہے یہ روح قید ہوگئی۔ صبح و شام فریاد کر رہی ہے کہ کاش میں تجھ سے آزادی اور رہائی حاصل کروں پھر میں اپنی منزل پہ جا کر اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کو دیکھ لوں۔

حضرات گرامی! ایک تشریح اور بھی ہے یہ اگرچہ آپ کو اُن شروح میں نہیں ملے گی۔ یہ چار شروح میں نے گنی ہیں ان چار میں تو آپ کو نہیں ملے گی۔ یہ میری ذاتی تحقیق ہے۔ بے شمار میں نے تصوف کی کتب پڑھنے کے بعد اس پر جو تفریح بٹھائی ہے وہ میں عرض کرنے لگا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ بانسری بنی کب ہے؟ جب سوراخ سوراخ ہوئی، پاک پاک ہوئی، جب اندر کوئی چیز پردے کی نہیں رہی۔ برما پھر گیا، اوزار پھر گئے، اندر سے پاک ہوگیا، سوراخ سوراخ ہوگئی، پھونک ماری تو درد کی آواز نکلی۔ کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر لکڑی اندر سے صاف ہو کے پاک ہو جائے تو پھونک مارو تو درد کی آواز آئے تو تیرے اندر بھی اللہ ھو کا، عشق الٰہی کا برما پھرے تو تجھے بھی پاک کر دے۔ کیا تیرے بال بال سے بھی اللہ، اللہ کی آواز نہیں آئے گی؟ اللہ، اللہ اور اس مقام پر روح (بانسری) نے پکار کے کہا اور حافظ شیرازیؒ اُس دور کی نقل بندی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

حرما روز کی ازیں منزل ویراں بردم

راحت جاں طلبم واز پئے جاناں بردم

اُس دن سے زیادہ خوشی کب ہوگی جب میں آزاد ہو کر اپنے محبوب کے قدموں سے لپٹ جاؤں گی۔

الغرض یہ ساری جو کہانی ہے یہ روح و جسم کی ہے اور مولانا رومؒ نے انسان کو انسانیت کے درجے پر فائز دیکھنے کے لیے بانسری کا ذکر درد چھیڑ کر یہ سمجھانا چاہا تھا کہ تم بھی اللہ ھو کے ذکر سے اور عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر، مر کر ایک نئی زندگی حاصل کرو تاکہ جو پردے ہیں وہ ختم ہو جائیں۔ جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جائیں۔ جو حجاب ہیں ختم ہو جائیں۔ جو کثافت ہے یہ دور ہو جائے اور پھر تم سب بالکل پاک ہو جاؤ گے۔ صاف ہو جاؤ گے تو ازلی پاک کی بارگاہ میں تم رسائی حاصل کر لو گے اور جب درمیان میں پردے اُٹھ جائیں گے تو محبوب حقیقی

آپ کو اپنے جمال کا دیدار عطا فرما دے گا۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

یہ ابتداء ہے آج اس پہ میں اکتفا کرتا ہوں کل ان شاء اللہ اس شعر کو جو تشریحی طور پر آگے لکھا گیا ان شاء اللہ اُس کی تحقیق وتشریح ہوگی۔ درود شریف پڑھیں۔ اگر رمضان وتراویح کا سلسلہ نہ ہوتا تو میں بات اور بھی چھیڑ کر لمبی کرتا۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ بات تھوڑی ہو مگر اچھی ہو۔ لڈّو اچھا بنا ہوا ہو تو ایک ہی کافی ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين. اللهم إني ظلمت نفسي ظلما كثيرا ولا يغفروا الذنوب إلا أنت فاغفرلي مغفرة من عندك وارحمني إنک أنت الغفور الرحيم، وصل الله تعالىٰ على حبيبه محمد وآله وأصحابه أجمعين. برحمتک يا أرحم الراحمين.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحمد اللہ تعالیٰ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق مئی ۲۰۲۰ء بروز بدھ رات ۱ بجے حکم کی تعمیل میں دروس مثنوی تحریر کرنے کا آغاز کر دیا گیا۔ ہر لمحے دستگیری کا طلبگار ہوں۔ رب کریم جل جلالہ نصیب رکھے کہ آقایانِ نعمت کی توجہات کے سائے میں سفر جاری رہے اور منزل مقصود تک رسائی حاصل ہو جائے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

دار العلوم محمدیہ صدیقیہ

دفتر اوّل

نشست دوم

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُo ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةًo فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْo وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْo

() الفجر، ۸۹: ۲۷۔۳۰

''اے اطمینان پا جانے والے نفسo تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اس کی رضا تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اس کی مطلوب)o پس تو میرے (کامل) بندوں میں شامل ہو جاo اور میری جنتِ (قربت و دیدار) میں داخل ہو جاo''

صدق اللہ مولانا العظیم

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo

سرکار دو عالم، قاسم جنت و کوثر ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت و محبت بصیغہ صلاۃ و سلام جھوم جھوم کر ایک مرتبہ پیش کریں:

اللھم صلّ علٰی سیدنا محمد ﷺ وعلی آل سیدنا محمد ﷺ وبارک وسلم وصل علیه. الصلوٰة والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ وعلیٰ آلک وأصحابک یا حبیب اللہ ﷺ.

معزز حاضرین! آج ہمارا حسب ترتیب جو پروگرام ہے درس مثنوی کا اُس کی دوسری محفل ہے۔ آپ سب کی صدق عقیدت اور والہانہ محبت اور جسم کے معمولات پر روح کے تقاضوں کو غالب دیکھ کر مجھے بلا گماں یہ احساس ہوتا ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اللہ جل جلالہ کے چاہنے والے لوگ ابھی بہت باقی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُo ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًo

اے اطمینان پا جانے والے نفسo تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اس کی رضا تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اس کی مطلوب)o

حضرات گرامی! اس آیت کے مفہوم کی روشنی میں علامہ جلال الدین رومیؒ اس دردِ محبت کو چھیڑتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

بانسری سے سن کیا بیان کرتی ہے۔ وہ جدائیوں کی (کیا) شکایت کرتی ہے۔

عرش کی بلندیوں سے آواز آتی ہے کہ

ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ.

اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ اپنے رب کے حضور قرب حاصل کرو اور رومیؒ کہتے ہیں:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

اس کے بعض نکات تو کل بیان ہوئے تھے۔ اس شعر میں جو بقیہ نکات ہیں میں اختصار کے ساتھ پیش خدمت کر رہا ہوں۔ آپ اس پر توجہ فرمائیں اور جو لطیف بات روح کی پسندیدہ بات اور من بھاتی بات سامنے آئے کان سے ٹکرائے تو دوسرے کان سے نکلنے نہ دینا۔ اُس کو دماغ اور دل و روح پر وارد کرنا۔

ایک بات اور بھی میں عرض کروں انتہائی غافل انسان ہی کیوں نہ ہو مگر وہ بے وقوف نہ ہو۔ انتہائی غافل انسان کیوں نہ ہو لیکن وہ دیوانہ نہ ہو، پاگل نہ ہو۔ اُس کی نظر کام کرتی ہو تو حسن اُس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ظاہری چہرے کا حسن آنکھوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے دل و دماغ کو متاثر کرتا ہے اور روح کی پاکیزگی ارواح کو متوجہ کر کے اپنی طرف نہیں پھیرتی وہ دعوت الی اللہ دیتی ہے۔

اس لیے جناب رومیؒ فرماتے ہیں:

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

چونکہ شعر کا ترجمہ آپ کو کل کے پہلے درس میں یاد تو ہو گیا ہو گا لیکن اب میں اس پر تفریح بٹھاتا ہوں۔ میں تین مثالیں دے کر آپ کو حقیقت کی طرف لے جاؤں گا۔

جب بانسری کو محبوب تک پہنچنے کے لیے ایک سکیب آزما، ایک حوصلہ فرسا، ایک صبر آزما زمانہ طے کرنا پڑا تو پھر اس روح کو اپنے مالک حقیقی کے قرب کی منزل پر فائز ہونے میں کتنا وقت لگا اس پر ایک مثال دے کر میں آگے چلتا ہوں اور چونکہ اس کی جتنی بھی شروح ہیں سب نے اس پر زور دیا ہے کہ بانسری (روح) کو منزل تک پہنچانا یعنی روح کو قرب خدا تک پہنچانا ضروری ہے۔

یہ خود نہیں پہنچے گی۔ اب اس کے جو دائیں بائیں معصیت، گناہ، تکبر، رعونت، بد خیالی، بد حالی، بد مقالی، بری سوچ، بری فکر، برے اذکار، برے افکار، برے خیالات، برے حالات، برے مقالات، بری تدبیر اور اُس کی بری تشہیر یہ رکاوٹیں ہیں ان کو کیا روح خود پاک کرے گی؟ نہیں۔ کسی دوسرے کی ضرورت ہے جو یہ حجابات اٹھائے، وہ دوسرا کون ہے؟ وہ دوسرا کون ہو گا؟ اُسے ہی ہادی کہتے ہیں اور ہماری زبان میں 'پیر، یا مرشد کہتے ہیں۔

یہ جو منازل طے کرانے والا ہے یا یہ ہادی ہے یا یہ مرشد ہے، پیر ہے، وہ بھی کامل، وہ بھی باخبر، وہ بھی باعلم ہے اور جس کے پاس علم بھی ہو، عمل بھی ہو، نظر بھی ہو، فکر بھی ہو، خبر بھی ہو وہ پیر ہوتا ہے اور وہ مرشد ہوتا ہے۔ وہ منازل آہستہ آہستہ طے کرواتا ہے۔

حضرات گرامی! ایک مثال سنیے! دودھ گائے، بھینس یا بکری سے آپ دھوتے ہیں، برتن میں جمع کر لیں کوئی ذی عقل کہے گا کہ اس دودھ کے فلاں حصے میں مکھن ہے اور فلاں حصے میں نہیں؟ یہی کہے گا نا کہ دودھ میں مکھن ہے پھر دکھاؤ اوپر ہے، درمیان میں ہے، نیچے ہے یا سارے دودھ میں ہے۔ ایک قطرہ باہر نکال کر دکھاؤ کہ اس قطرے میں نہیں ہے اور باقی میں ہے۔ کیا کہو گے؟ ایک ایک قطرے میں مکھن ہے اور اگر ہے تو دکھاؤ۔ اب جو تیسری شئے آئے گی جو مکھن کو دودھ سے علیحدہ کر کے دکھانے والی وہ کوئی اور ہو گی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون ہے کہ جو دودھ سے مکھن نکال کر بتائے کہ دودھ خالص ہو تو مکھن اس طرح نکلتا ہے۔

حضرات گرامی! یہی دودھ ہے اس کو تدبیر کے ساتھ جھاک لگا کے اس کی صورت بدل دی۔ کیفیت و حیثیت بدل دی دہی بن گیا۔ اب عقل والے اور آنکھ والے، تجربے والے اُس دہی کو دودھ نہیں کہتے۔ شکل نہیں بدلی کیفیت بدلی ہے۔ ماہیت بدلی ہے۔ رنگت نہیں بدلی ذائقہ بدل گیا۔ نام بدل گیا، کام بدل گیا، تاثیر بدل

گئی، قیمت بدل گئی۔ یہی دودھ جو دہی بن گیا، یہی دودھ صورتیں بدلتا ہوا، بھیس بدلتا ہوا، لباس بدلتا ہوا، چال بدلتا ہوا، حال بدلتا ہوا اب تیسری منزل میں داخل ہوا۔

اور تیسری منزل میں بڑے برتن میں داخل ہو گیا اور ایک شئے آ گئی۔ اب اُس نے حرکت کرنا شروع کر دی اور کبھی آپ چھوڑ ہی آئے ہیں ملک میں۔ کسی کو یاد ہے وہ تیسری چیز کیا ہو گی؟ مدھانی۔ اللہ اکبر! آپ اس کو شاید مزاق سمجھتے ہوں۔ قربان جاؤں اُس پر جو خود تکلیف اٹھائے لیکن جدائی ڈال دے۔ کھوٹے اور کھرے میں، ناقص اور کامل میں اور ملا دے طالب اور مطلوب کو۔ حرکت مدھانی کر رہی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد دو اس میں درجے نمودار ہوتے ہیں۔ ایک بالکل سر کے اوپر آ گیا اور ایک اُس کے نیچے آ گیا۔ جو سر (سطح) کے اوپر ہے۔ غور سے دیکھو مدھانی چلنی بند ہو گئی اور سطح پر جو چیز آئی اسے مکھن کہتے ہیں اور جو اس کے نیچے پاؤں میں رہ گئی اُس کو لسّی کہتے ہیں۔

رنگ مکھن کا وہی ہے جو دودھ کا تھا۔ رنگ لسّی کا وہی ہے جو دودھ کا تھا۔ رنگ لسّی اور مکھن کا وہی ہے جو دہی کا تھا۔ مگر دودھ کا نام بدلا، دودھ کا کام بدلا، دودھ کی تاثیر بدلی، دودھ کی ماہیت و کیفیت بدلی پھر دہی بنا۔ رنگ وہی لے کے آیا، رنگ وہی چڑھایا گیا ہے۔ وہی رنگ لے کے آیا ہے۔ رنگ نہیں بدلتا۔

معلوم ہوا مجاز میں ہر صورت بدلتی ہے لیکن حقیقت رنگ نہیں بدلا کرتی۔ اب دیکھتے جایئے لسّی کا ذائقہ اور تاثیر اور ہے، نام اور ہے، کام اور قیمت بھی اور ہے اور جو اس کے سر پہ آئے اس کو دبا کے نیچے رکھو پھر اوپر آ جائے اور لسّی کو اٹھا کر نیچے رکھو پھر نیچے چلی جائے گی۔ معلوم ہوا جب حقیقتیں بے نقاب ہوتی ہیں تو اُس پر جتنے بھی ناسوتی پردے ڈالے جائیں تو وہ اُس کو چیر کر حقیقت پھر باہر آ جاتی ہے۔ اب مکھن اپنی حقیقت دودھ کی حقیقت یہ مکھن ہے اوپر آ گیا۔

حضرات! مکھن کا نام بدل گیا، کام بدل گیا، تاثیر بدل گئی، خوشبو بدل گئی، قیمت بدل گئی مگر اس میں ابھی نقص ہے۔ ابھی یہ مقام کمال کو نہیں پہنچا۔ برتن میں رکھ دو ابھی نقص ہے۔ ٹھنڈک نہ پہنچے، برودت نہ پہنچے، حفاظت نہ کی جائے تو یہ بدبو پیدا کرتا ہے اور کوئی بھی ذی ہوش اسے استعمال کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ٹھنڈک پہنچتی ہے تو بچا رہتا ہے۔ گویا یہ بھی محتاج ہے اپنی حیثیت کو محفوظ کرنے میں۔ کسی اور قوت کا محتاج ہے۔ لیکن اس مکھن کو ابھی حقیقت بننا ہے۔ ابھی ایک منزل باقی ہے۔ جو دانشور لوگ ہیں وہ اسی مکھن کو ایک دیگچی میں ڈال کر چولہے کے اوپر رکھ کے نیچے آگ جلاتے ہیں مکھن پگھلتا رہتا ہے، جلتا رہتا ہے، ابلتا رہتا ہے۔ پگھلنا، ابلنا اور جلنا اُس کے نصیب میں ہے اور جو نہ جلے وہ حقیقت کا چہرہ دیکھ ہی نہیں سکتا۔

وہ اس لیے اس میں ابھی کوئی مادہ ایسا ہے کہ جس مادے میں فنا کی قوت موجود ہے۔ جب تک اُس کو جلایا نہ جائے وہ مادہ فاسد ختم نہیں ہوتا۔ آگ نے تو اسے جلایا جلا کے جب ٹھنڈا کیا شکل بدل گئی، رنگت بدل

گئی، قیمت بدل گئی، کیفیت بدل گئی، تاثیر بدل گئی۔ عزت میں عروج ہو گیا، قیمت میں بلندی ہو گئی۔ اب اُس کا نام کیا کہیں گے آپ؟ گھی۔

اب اس کو جلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سارے مرحلے طے کر کے گھی بن گیا ہے۔ بنا اُس وقت یہ جل جل کے یہاں پہنچا ہے۔ اب اس کے لیے جلنا جلانا، مزید کسی آزمائش میں ڈالنا اس کے نصیب میں نہیں ہے۔ اب یہ جب بھی پگھلے گا کسی دوسرے کو فیض دینے کے لیے پگھلے گا۔ جب یہ پگھلے گا کسی دوسرے کو کچھ دینے کے لیے پگھلے گا اور جب بھی یہ گرم ہو گا تو کسی دوسرے کو حرارت دینے کے لیے اور جب بھی یہ اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرے گا تو کسی دوسرے کی کمزوری کو قوت دینے کے لیے۔ تو اس کا نام بدلا، کام بدلا، ماہیت بدلی، قیمت بدلی، عزت بدلی، شان وشوکت بدلی تو یہاں آ کے کسی صاحب کمال نے فرمایا:

علم باطن همچو مسکا
علم ظاهر همچو شیر
که بودے شیر مسکا
که بودے بے پیر پیر

() سلطان باھوؒ، نور الہدی، ص ۳۴۔۳۵

یوں سمجھو کہ دودھ کی مثال جسم کی ہے، روح کی مثال اُس مکھن اور گھی کی سی ہے۔ جس طرح گھی تمام مراتب طے کرنے کے بعد ظاہر ہوا اس طرح تمام مشکلات، عبادات، ریاضات، محبت، درد و ہجر کے صدمے، سجدے اور رکوع، قعود و عبادت و تلاوت، محنت و محبت اور عشق اور جلال میں جل جل کر جب تک انسان اٹھے نہیں۔ جب تک جلا نہ تھا مکھن گھی نہ بنا اور جب تک گھی کیفیات طے کر کے اپنی منزل پہ نہ پہنچا مرتبے نہیں ملے۔

انسان تو بھی عشق کی وادی میں جل جل کے باہر آ تا کہ تجھے محبوب اپنا بنا لے۔ اس لیے جناب رومیؒ بڑے پیار سے فرماتے ہیں:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

کیوں نہ قربان ہو جائیں اور یہاں حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں:

چرا نہ در پی عزم دیار خود باشم

چرا نہ خاک سر کوی یار خود باشم

() حافظ، گنجور، غزل شمارہ، ۳۳۷

وہ فرماتے ہیں: کہ روح کہتی ہے آؤ نا مل کے چلیں اپنے محبوب وطن کو۔ اب روح روح سے کہتی ہے دوست دوست سے کہتا ہے آؤ نا چلیں۔ اپنے محبوب سے جدائی میں زمانے جو گزر گئے آؤ مل کے چلیں۔ مل کے چلیں تو راستہ کہاں ہے؟ فرمایا: جہاں جہاں سے ہمارا یار گزرتا گیا اُس کے پاؤں کے نشان وہاں سے جلوے ہمیں بلا رہے ہیں۔ جلوے بلا رہے ہیں۔ ہمیں بھولیں گے کیوں؟ جہاں بھولیں گے اُن کے پاؤں کی کہکشاں ہمیں بلا رہی ہے اور جہاں پاؤں لگا وہاں کا ہر ذرّہ ستارہ بن کے چمک رہا ہے اور دیارِ محبوب کی راہنمائی کر رہا ہے۔ چلو چلیں۔

چرا نہ در پی عزم دیار خود باشم
چرا نہ خاک سر کوی یار خود باشم

پیار سے کہہ رہے ہیں اے ارواح سنو کیوں نہ ہم اپنے اصلی وطن کو چلیں۔

میں چھوٹی سی مثال نہ دے دوں آپ کو یہاں برطانیہ آئے ہوئے کسی کو ۳۰ سال ہو گئے، کسی کو ۴۰ سال ہو گئے۔ کوئی پوچھے کہاں کے رہنے والے ہو؟ کس وطن کے رہنے والے ہو؟ Nationality مل گئی، سکونت یہاں کی مل گئی، اولادیں یہیں ہیں، بیوی بچے رشتہ دار بھی یہیں ہیں۔ گاڑیاں، مال، جائیداد اور بینک بیلنس یہاں ہے تو پوچھو کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو نام انگلینڈ کا بتانے کے بجائے اپنے پاکستان کا نام لے رہے ہیں۔ معلوم ہوا اصل وطن وہی ہوتا ہے جہاں سے کوئی آتا ہے۔ جہاں سے کوئی آئے وہی اُس کا اصل وطن ہے۔ باقی تو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ روح بھی کہتی ہے کہ میں یہاں تو قید میں ہوں، میرا اصل وطن تو وہ ہے۔ اس لیے روح کہتی ہے کہ

چرا نہ در پی عزم دیار خود باشم
چرا نہ خاک سر کوی یار خود باشم

کیوں نہ اے روح مل کے اپنے گھر کو چلیں۔ آؤ نا گھر کو چلیں۔

ایک مثال میں اور دینے لگا ہوں۔ آپ نے موسم خزاں میں دیکھا ہو گا درختوں کے پتے گر جاتے ہیں۔ ٹہنیاں بے آبرو ہو جاتی ہیں۔ درخت ننگے ہو جاتے ہیں۔ وہاں بہار وہ چہل پہل، وہ رنگت، وہ رونق، وہ دلکشی، وہ رعنائی درختوں میں نہیں رہتی۔ یہ پتے کیوں گرتے ہیں؟ یہ درخت کیوں بے نور ہو گیا؟ اس درخت کا لباس کس نے چھینا؟ یہ لباس درخت کا کیوں اتر گیا؟ درخت یہ جواب نہیں دیتا۔ پھر پوچھتے ہیں تو درخت زبان

حال سے کہتا ہے کہ میری اپنی غلطی ہے۔ بہاروں میں ہم نے اپنی حفاظت نہیں کی۔ خزاں نے زیور چھین لیا۔ بہاروں میں ہم نے اپنا خیال نہیں رکھا خزاں نے رونق چھین لی۔

ہماری اپنی غلطی درخت کی بدحالی، اُس کی پریشانی اور اُس کی تڑپ کہ سب کچھ تو خزاں لے گئی۔ اسی انتظار میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ درخت پھر انتظار میں ہے کہ تو اُس کے انتظار اور شدت انتظار تو اس کا وقار اور پیار دیکھ کر بہار نے کہا چلو پھر لباس پہنا دیتے ہیں، پھر بہار آتی ہے تو آہستہ آہستہ رنگت بدلتی ہے۔ شگوفے پھوٹتے ہیں، پتے نکلتے ہیں، پھول لگتے ہیں، پھل لگتا ہے، بہار آتی ہے جوبن آ گیا۔ درخت پر مستی آ گئی۔ تھوڑی سی ہوا آئی تو درخت جب جھومتا ہے تو آواز دیتا ہے۔ کل مجھے بے لباس دیکھنے والو ذرا میری شان کا نظارہ بھی کرلو۔ اب مجھے دیکھو تو

به بیز گلستان من بهار ما را

میری بہار تو دیکھو۔

میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ آپ سب علم و دانش والے لوگ بیٹھے ہیں۔ یہ پتے کہاں سے نکلے؟ یہ پھول کہاں سے آئے؟ پھل کہاں سے آیا؟ یہ کہاں سے وہ خزاں جو لے گئی تھی یہ بہار اسے واپس لے کر آ گئی۔ میں قرآن کے حوالے سے ایک بات کرنے لگا ہوں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

عقل والو! آپ دودھ پیتے ہو نا؟ آپ ہی کے لیے اسے پیدا کیا ہے۔ اس کا منبع دیکھا ہے آپ نے؟ یہ بھینس، گائے اور بکری جب ان سے دودھ دھوتے ہو، برتن بھر لیتے ہیں تو سوچا کبھی آپ نے کہ کہاں اندر فیکٹری لگی ہوئی ہے جو دودھ پیدا کرتی ہے۔ یہ پروڈکشن ہاؤس کہاں ہے؟ تو اللہ رب العزت خود فرماتے ہیں: تجھے تو سمجھ نہیں آئے گی میں ہی بتا دوں تمہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: وہ فیکٹری کہاں ہے جو دودھ پیدا کرتی ہے؟ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا:

بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ.

آنتوں کے (بعض) مشمولات اور خون کے اختلاط سے۔

ایک طرف گوبر ہے ایک طرف خون ہے درمیان میں فیکٹری بنی ہوئی ہے۔ لیکن اگر تم ذبح کرو بکری، گائے یا بھینس کو جس جگہ سے دودھ نکلتا ہے اُس جگہ کو چیر کے دیکھو تو تمہیں کوئی ایسا عضو نظر نہیں آئے گا، کوئی ایسی جڑ نظر نہیں آئے گی، کوئی ایسی شے نظر نہیں آئے گی جس پر تم انگلی رکھ کر یہ کہہ سکو کہ یہاں پر دودھ بنتا تھا۔ کوئی آدمی نہیں بتا سکتا لیکن خدا کہتا ہے کہ یہ ہم ہی بناتے ہیں۔ ایک طرف گوبر اور ایک طرف خون ہے درمیان میں ہم دودھ کو

خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَo

() النحل، ۱۶: ۶۶

خالص دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں (جو) پینے والوں کے لیے فرحت بخش ہوتا ہےo

وہ اتنا صاف، اتنا مزے دار، اتنا پینے والوں کو ذائقہ فراہم کرتا ہے کہ تم سوچ نہیں سکتے۔ جو رب خون اور گوبر کے درمیان دودھ کو محفوظ کر لیتا ہے تمہارے لیے اگر یہ روح جو تمہارے اندر موجود ہے ایک طرف دل ہے ایک طرف نفس ان دونوں کی اگر آپ حفاظت و پرورش کریں گے تو میں اپنی اتنی نورانی قوت دوں گا کہ شیطان بھی حملہ آور ہو جائے، دل بھی غافل ہو جائے لیکن میری محبت تمہیں نصیب ہو جائے، میرا پیار تمہیں نصیب ہو جائے تو پھر ایمان کی لذتوں کو محفوظ کر کے روح کو دیتے ہیں۔ اور پردے ہٹا کر روح کو اپنا قرب عطا کر دیتے ہیں۔ اگر بھینس کے پیٹ سے خدا دودھ نکال کے لاتا ہے اور درخت کے تنے اور چمڑے کے درمیان میں جو جگہ ہوتی ہے جہاں ساری بہاروں کی قوت خدا جمع کر لیتا ہے۔

حضرات محترم! یہ بات بتا دوں کہ جب خزاں آتی ہے تو تمام رطوبت ٹہنیوں سے اتر کے آہستہ آہستہ جڑوں کی طرف چلی جاتی ہے اور جب بہار آتی ہے تو پھر جڑوں سے رطوبت اٹھتے اٹھتے کتنا لمبا چوڑا پھیلا ہوا درخت سو گز اونچا ہو، نیچے جڑیں ہیں جڑوں سے جو رطوبت اٹھتی ہے وہ پھیلتی ہوئی ایک ایک پتے تک پہنچتی ہے اور ایک ایک ذرّے تک پہنچتی ہے۔

معلوم ہوا غذا حاصل کرنے میں درخت محتاج ہے (اپنے چمڑے اور تنے کا یہ دونوں مل کر درخت بنتا ہے) جڑ کا اور جڑ محتاج ہے رطوبت کی، رطوبت ملتی جائے تو جڑ تقسیم کرتی ہے۔

دیکھئے! آپ اپنے صحن میں پودا لگاتے ہیں تو کیا اُس کے سر پر پانی ڈالتے ہیں؟ گلاب کا پودا لگائیں، کیا اُس کے سر پر پانی ڈالتے ہو یا اُس کی جڑ میں؟ کیوں؟ تمام پتے اور ٹہنیوں پر پانی گراؤ تو کوئی اثر نہیں ہو گا۔ جڑ میں پانی جائے گا تو وہی جڑ حسب ضرورت ہر پتے کو رطوبت پہنچائے گی۔ اللہ ﷻ ساری کائنات کو خود بخود رزق نہیں دیتا۔ اس دو جہاں کی جڑ ہیں جناب محمد رسول اللہ ﷺ۔ اللہ ﷻ تو دیتا ہے جڑ کو۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي.

() بخاری، الصحیح، کتاب:الْعِلْمِ، باب: بَاب مَنْ يُرِدْ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، ۱/۳۹، رقم: ۷۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب: الإمارة، باب: قوله لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين

علی الحق لا یضرهم من خالفهم، ۳/۱۵۲۴، رقم: ۱۹۲۳
''بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں جب کہ اللہ ﷻ دیتا ہے۔''

رزق اُس کا ہے کھلاتے یہ ہیں، دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں۔ انسان پر بہار کب آتی ہے؟ جب یہ سجدے کرتا ہے، جب یہ رکوع کرتا ہے، جب یہ عبادت کرتا ہے، جب قرآن کھولتا ہے، جب دل کی کتاب کھلتی ہے، جب محبت کی نگاہ سے دل کی کتاب پہ نظر لگتی ہے تو پھر وہ حروف نہیں پڑھتا وہ جلوۂ محبوب کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ لوگ چیز تلاش کرتے ہیں علاقے میں، صحرا میں، سیر کرتے ہیں دریا میں، فضا میں، خلا میں، صفوف سماء کی طرف توجہ کرتے ہیں اور صوفی کو پتہ ہے کہ محبوب کو تلاش کرنا پڑے تو کہاں دیکھتے ہیں۔ وہ آنکھیں بند کر کے، سر جھکا کے دل کی وادی کے اندر محبوب تلاش کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جب کوئی سمجھ نہ آئے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر اللہ اکبر! دو جہاں سے منہ موڑ کے پھر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اب تلاش کی ایک نئی جہت نمودار ہوئی ہے اب یہ کھڑے ہو گئے۔ کیوں؟ اگر ہاتھ نہیں باندھتے، اللہ اکبر کی تکبیر نہیں چلاتے خیالات ختم نہیں ہوتے۔ اللہ اکبر کہہ کے خیالات ختم کرتے ہیں۔ کانوں سے ہاتھ لگا کے جب ہاتھ باندھتے ہیں تو کائنات کی ہر شئے دیکھتی ہے کہ محبوب کی تلاش میں کھڑا ہو گیا اب آواز نہیں دینی چاہیے۔ تو کوئی آواز نہیں دیتا۔ باپ بیٹے کو آواز نہیں دیتا اور بیٹا باپ کو آواز نہیں دیتا۔ محبّ اپنے محبوب کو اور محبوب اپنے محبّ کو آواز نہیں دیتا۔ نماز میں کوئی مداخلت نہیں جائز۔ اس لیے کہ جو ساری کائنات میں سب سے بڑی ذات ہے اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ تو کوئی اُس سے بڑا ہو تو کوئی اُس کو بلائے۔ اس لیے وہ اس حال میں مشغول ہو گئے۔ لوگ کہتے ہیں، کتابوں والے کہتے ہیں، شریعت کہتی ہے کہ یہ عبادت کا مرحلہ ہے۔ طریقت کہتی ہے کہ عبادت کا مرحلہ ہے۔ ہم بھی مانتے ہیں۔ لیکن یہ تلاش محبوب کا مرحلہ ہے۔ کھڑے کھڑے سمجھ نہ آئی اور جھک گئے اور فرط محبت سے ندا دی سبحان ربی العظیم میرا رب پاک بھی ہے عظیم بھی ہے۔ ملتا کیوں نہیں؟ پھر پکارتا ہے، پھر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر جب نہیں سمجھ آئی اور پھر ایک اور مرحلہ طے کرتا ہے سجدے میں چلا جاتا ہے۔ یا اُس کا سر ہے یا زمین ہے یا محبوب کے پاکیزہ چہرے کا تصور ہے۔ وہاں بیٹھا ہوا پھر آواز دیتا ہے سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ۔

حضرات! یہ تلاش کے مرحلے ہیں۔ یہ عبادت بھی ہے اور اظہارِ محبت بھی۔ آپ دیکھتے ہیں یہاں اپنے گھروں میں بھی یہاں رواج ہے پاکستان میں کہیں کہیں اور اس ملک میں بہت رواج ہے کہ محبوب سے ملنے جاؤ تو پھول لے کر جاتے ہیں۔ گلدان، تازہ پانی، شیشے کا گلدان اُس میں پھول سجائے میز پہ رکھے اور دو تین دن کے بعد اُس کو پھینک دیتے ہیں کیونکہ وہ مرجھا گئے، مر گئے۔ تو پھول سے کسی نے پوچھ ہی لیا کہ جنگل میں تم خوش تھے، محل میں سنجاف و ثور کے پردوں کے اندر، شیشے کی میز پر، شیشے کے گلدان میں تجھے سجا کے رکھا، تازہ

پانی ڈالا اور تو مر گیا؟ جنگل میں تم جیتے رہے یہاں آئے تو مر گئے؟ کیوں ایسے کیا تو نے؟

تو پھول نے زبانِ حال سے جواب دیا: اے بندۂ خدا! تو نے اپنی مرضی پوری کی مجھ سے تو تُو نے پوچھا ہی نہیں۔ مجھ سے پوچھتے تو میں کبھی بھی ادھر نہ آتا۔ یہ گلدان، یہ شیشے، یہ قالین، یہ پردے یہ سب کیا ہے؟ یہ تو جدائی کا سامان ہے۔ میں تو اُسی وقت مر گیا تھا جب تم مجھے میرے محبوب سے کاٹ کر یہاں لائے تھے۔ مر تو میں اُس وقت ہی گیا تھا۔ اگر تم میری زندگی چاہتے ہو تو اٹھاؤ مجھے اپنے محبوب کے ساتھ جا کے ملاؤ۔ تو روح کہتی ہے:

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

اور وہ تجھے محبت کی وادی سے اس طرح بحفاظت گزار کے سارے پردے چاک کر کے تمہیں قرب و حضور کی منزل دے کر، سرور کا نشہ دے کر جب تمہیں چھوڑے تو تو اپنے محبوب سے جا کے مل جائے۔ تو اس لیے پیر کی ضرورت ہے۔

چند مثالیں اور بھی ہیں اگر میں بیان کرنا چاہوں تو اس میں آدھا گھنٹہ اور لگ جائے گا۔ اس شعر کی پوری تحقیق، تفسیر اور تشریح آج مکمل کرنے کے بعد کل جب ہماری محفل ہو گی تیسرے اور چوتھے مفہوم پر ہم توجہ دیں گے۔ اللہ ﷻ آپ کو سلامت رکھے اور ہمارے نور ٹی وی کے پروگرام کو۔

بالکل عجیب بات ہے دیکھئے خدا بھی نور ہے، خدا کا محبوب ﷺ بھی نور ہے اور جو قانون آیا وہ بھی نور ہے اور یہ جو بیٹھے ہوئے ہیں یہ بھی نور والے ہیں اور نور کا پیغام دینے کے لیے جو آیا ہے اُس کا نام نور ہے، اُس کا کام نور ہے اور محبت کا کام لے کر آیا ہے وہ نور ہی ہے۔

حضرات گرامی! خدا آپ کو سلامت رکھے۔ کل کی محفل ان شاء اللہ اس سے قدرے مختلف ہو گی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُo وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُo

اللهم إني أسئلک العفو والعافية والمعافات الدائمة في الدنيا والآخرة والفوز بالجنة والنجاة من النار.

سب محبت والے دوست بیٹھے ہوئے ہیں آپ دعا کریں کہ اس نور ٹی وی کے ذریعے ہم دنیا کے کونے کونے، گوشے گوشے میں رہنے والے عقل و روح والوں کو پیغام خدا اور پیغام مصطفیٰ ﷺ اُن کی روح کے اندر اتارنے میں کامیاب ہو جائیں۔

ہم نے تجارتی بنیاد پر یہ کام نہیں شروع کیا ہے ہاں ہم نے تو دینی طور پر اس کارِ خیر کا آغاز کیا۔ تاجر تو ہیں ہی لیکن جو تجارت ہم کریں گے وہ اللہ ﷻ اور اُس کے محبوب ﷺ کے ساتھ کریں گے کہ ہماری یہ خدمت وہ قبول کر لیں۔ قبروں کو جنت وہ بنا کے دیں اور ہم اُن کے دین اور قرآن کا پیغام اور نور کا پیغام گلی گلی نور ٹی وی کے حوالے سے پھیلانا شروع کر دیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُo وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُo

تمام سامعین، تمام ناظرین اور تمام حاضرین!

جہاں جہاں تک یہ پیغام پہنچے میں سب کے لیے دعا گو ہوں۔ سنیو! نور ٹی وی آپ کا ہے۔ آپ اس کو اٹھائیں، آپ اس کی ضروریات پوری کریں اور اپنے نبی ﷺ کے گیت گانے میں کبھی شرمائیں نہیں اور اللہ رب العزت کی توحید بیان کرنے میں کبھی سرِّ مُو فرق نہ لائیں۔ خدا سلامت رکھے اور نور ٹی وی میں جو کام کرنے والے حضرات ہیں اللہ رب العزت انہیں خوشیاں اور برکتیں عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد ﷺ وآلہ وأصحابہ أجمعین، برحمتک یا أرحم الراحمین.

العلم نور
دار العلوم محمدیہ محی الاسلام صدیقیہ

دفتر اوّل

نشست سوم

کز نیستاں تا مرا ببریده اند

از نفیرم مرد و زن نالیده اند

جب سے مجھے بنسلی سے کاٹا ہے، میرے نالے سے مرد و زن (سب) روتے ہیں۔

نیستاں: بانس کا جنگل، نفیر: آہ و زاری/فریاد

سینه خواهم شرحه شرحه از فراق

تا بگویم شرح درد اشتیاق

میں ایسا سینہ چاہتی ہوں جو جدائی سے پارہ پارہ ہوتا کہ میں عشق کے درد کی تفصیل سناؤں۔

شرحہ شرحہ: پارہ پارہ، شرح: تفصیل، اشتیاق: شوق/عشق

هر کسے کو دور ماند از اصل خویش

باز جوید روزگار وصل خویش

جو کوئی اپنے اصل سے دُور ہو جاتا ہے وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرتا ہے۔

وصلِ خویش: روح عالم ارواح میں، بانسری بنسلی میں لوٹنے کی مشتاق ہے۔

نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيآت أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له. فنشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولٰنا محمدا ﷺ عبده ورسوله.

معزز حاضرین!

آج مثنوی شریف کا تیسرا درس ہے۔ تصوف اور روحانی لگن پر مشتمل ہماری یہ تیسری محفل ہے۔ اہل ذوق، صاحب طلب صادق اور ارباب عشق کی یہ محفل ہے اور ایک مقبول، معروف، مقرون ولی اللہ کا کلام جو

قلب و روح کے معاملات پر، عاشق ومعشوق کے درمیانی حالات پر، طالب ومطلوب کے وصل کے تقاضوں پر عشق جو رابطہ ہے عاشق ومعشوق کے درمیان اُس کے خفیہ بھیدوں کو آشکار کرنے والے باخبر ولی کامل کے احساسات پر تبصرہ کرنے کی یہ آج تیسری محفل ہے۔

اس سے قبل علامہ رومیؒ کا ارشاد تھا کہ روح کی تنزلی ہوئی لاہوت سے ناسوت میں روح آئی۔ لوازمات بشری نے حجابات کھڑے کیے، قرب کی لذتوں سے محروم ہوئی تو اُس نے رونا شروع کر دیا۔ اب وہ روح جو ناسوت میں آ کر کثافتوں کے درمیان مقیّد ہوگئی ہے اُس کو جب پرانا دورِ وصل (قرب کا دور) نظر آتا ہے اور وہ پرانے محبوبیت کے اور وصل کے وہ نشے اور دردِ محبت کا وہ سلسلہ یاد آتا ہے وہ بہت بے چینی سے رونا شروع کر دیتی ہے اور آگے جا کر بیان کیا:

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند

از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جب سے مجھے نِسلی سے کاٹا ہے، میرے نالے سے مرد وزن (سب) روتے ہیں۔

مجھے عالم ارواح سے اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں اور اس دُوری نے محبوب سے مجھے جدا کر کے غفلت کے زمانے میں قید کر کے وصل کی لذتوں سے محروم کر دیا ہے اور وہ دردِ حرماں، وہ دردِ جدائی، وہ لذت آشنائی اُس کی وجہ سے درد اتنا غالب ہو گیا ہے کہ

از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

کہ میں جو روتی ہوں تو سننے والے مرد اور سننے والی عورتیں میری فریاد کے اثرات سے متاثر ہو کر وہ بھی رونا شروع کر دیتے ہیں۔ تو جس طرف میں نے منہ کر کے اپنا درد چھیڑا ہے وہاں ہی سے مجھے رونے کی آوازیں آتی ہیں۔ یہ رونے کی آوازیں دوصورتوں میں تھیں، یا تو بااعتبارِ تراحُم کہ اس پر کیا گزری کہ یہ اتنی رو رہی ہے یا بطورِ تراحُم نہیں اُن میں بھی وہ درد تھا، اُن میں بھی لذت آشنائی تھی، اُن میں بھی جدائی کے اثرات تھے۔ بلکہ جب میرے درد کی آواز نے اُن کے اندر خفیہ درد اٹھایا تو جیسے میں رو رہی تھی اسی طرح سارا جہان رونے لگ گیا۔ اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند

از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جہاں دیکھو وہیں رونا ہی رونا ہے۔ روتے کیوں ہو؟ روتے تو اس لیے ہیں کہ جدا ہو گئے۔ ارے مل تو

جاؤ گے نا؟ ملنا تو ہے لیکن نہ جانے کب ملیں گے۔ ملنے تک جو مدت ہے اُس مدت کو کون برداشت کرے گا؟ یہ درد تو بڑھتا چلا جا رہا ہے، تو پھر کریں گے کیا؟ حالت تو یہ ہے کہ میرے سامنے دیواریں آ گئی ہیں۔

کل کے درس میں ایک بات آئی تھی یقیناً آپ کو یاد ہو گی کہ جب موسم خزاں آتا ہے تو درخت کے لباس اتر جاتے ہیں، پتے گئے، پھول گئے، گُل گئے، شجر کھڑا ہے، درخت کھڑا ہے تو درخت ہی کہتے ہیں۔ جوبن گیا، مستی گئی، رعنائی گئی اور وہ تماشائے جلوہ نمائی گیا لیکن درخت کھڑا ہے۔

جب بہار آئی تو پھر سب کچھ واپس آ گیا، لیکن کمال یہ ہے کہ اُسی درخت کو جو زمین کے ساتھ پیوند ہے اُس کو بیک سے کاٹ دیا جائے جڑ رہ جائے لیکن درخت کاٹ دیا جائے ایک ہزار بہار صبح، ایک ہزار بہار دوپہر اور ایک ہزار بہار شام کو اُس پر آ کے پہرے دینا شروع کر دے اور بار بار برسنا شروع ہو جائے وہ درخت خشک کا خشک ہی رہے گا، کیوں؟ اس لیے کہ اصل کٹ گئی۔ جب کوئی شئے اصل سے کٹ جائے تو اُس پر حقیقی موت طاری ہو جاتی ہے۔ حقیقی موت وارد ہوتی ہے۔ حقیقی موت وارد ہو جائے تو کوئی بہار اُس کو نئی زندگی سے آشنا نہیں کر سکتی۔ لیکن درخت خشک نہیں ہوا جڑ کے ساتھ قائم ہے۔

بہار کا ایک انبار نہیں آیا، لشکر نہیں آئے بہاروں کے، بہار کا ایک جھونکا آیا نئی زندگی دے کے چلا گیا۔ اس لیے کہ اُس کے اندر اصل زندگی موجود ہے۔ اُس کے اندر زندگی موجود ہے بہار نے تو صرف رونقوں میں اضافہ کر دیا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جو اپنے اصل سے جدا ہو گیا وہ مر گیا اور جو اپنے اصل سے جدا نہیں ہوا لیکن رکاوٹیں آ گئیں مثلاً خزاں نے سب کچھ لے لیا لیکن روح ہے، اُس نے کہا کہ میں اصل سے کٹی نہیں ہوں جدا ہوئی ہوں۔ میں کٹی نہیں ہوں۔ جو کٹتے ہیں مرجھا جاتے ہیں، مر جاتے ہیں۔

میرے درمیان صرف جدائی ہے اور یہ جدائی کس نے ڈالی ہے؟ گناہ نے۔ یہ جدائی کس نے ڈالی ہے؟ بشری تقاضوں نے۔ یہ جدائی کس نے ڈالی ہے؟ آنکھوں کی غلط نظر نے۔ زبان کی غلط گفتگو نے، نفس کی مکّاری نے، دل کی مُردگی نے، جسم کی معصیت نے درمیان میں ایک دو نہیں درجنوں پردے کھڑے کر دیے ہیں۔ جب تک یہ پردے چاک نہیں ہوتے مجھے اپنے محبوب سے ملاقات کی امید نظر نہیں آتی۔ جب یہ پردے دور ہوں گے تو محبوب سے مل پاؤں گی۔

تو کمال یہ ہے دوستو! دیکھو سورج کہاں ہے؟ یہاں زمین پر شیشے کا ایک ٹکڑا رکھ لو پاک صاف تو جتنا دور سورج ہے سورج کی کرن اس شیشے کے ٹکڑے میں اتر آتی ہے تو درمیان میں دُوری کے باوجود بھی کتنا قرب نظر آتا ہے۔ لیکن یہ قرب ہوا کب؟ جب شیشہ پاک تھا۔ شیشہ اگر غلط ہوتا، اُس پر میل ہوتی، کیچڑ سوار ہوتا، مٹی کے انبار کے نیچے ہوتا تو سارا سورج بھی نیچے آ جائے تو چشمہ چمکنے والا نہیں تھا۔ روح یہ کہتی ہے: کہ مجھے قید

کرنے والے ذرا یہ پردے ہٹا تو سہی۔ میں اگر نہ بھی جاؤں تو پردے ہٹ جائیں تو وہاں سے یہاں میرے محبوب کے جلوے کے آنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ میں دُور رہ کر بھی اپنے محبوب کے جلوؤں سے آراستہ ہو جاؤں گی۔ اس لیے فرماتے ہیں:

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند

از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد آگے روح کہتی کیا ہے؟ میں کس کہ سناؤں اپنا درد؟ جسے دیکھتی ہوں وہی رو رہا ہے اور اُس کے رونے سے میرے رونے میں اضافہ ہو رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنا غم تقسیم کروں۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنا درد بانٹوں۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی دُرد والے سے درد کی باتیں کروں لیکن جدھر رخ ہوتا ہے میرے درد کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جو سنتے ہیں وہ بھی رونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جب وہ میرے حال کو دیکھ کر روتے ہیں تو اُن کے رونے سے آنکھوں سے جو آنسو برستے ہیں وہ سب میرے دل پہ گرتے ہیں۔ میرے غم میں اس کی وجہ سے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب فریاد کرتی ہے روح!

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق

تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

مجھے بھی تو کوئی ایسا چاہیے جس کو درد کے تیروں نے چھلنی کر دیا ہو، جو شرحہ شرحہ سوراخ سوراخ ہو گیا ہو۔ میرا سینہ سوراخ سوراخ ہو گیا، میرا دل سوراخ سوراخ ہو گیا، میری روح سوراخ سوراخ ہو گئی درد کے تیر لگ لگ کے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اب جبکہ میں بات کروں گی نا تو وہ چونکہ میرے جیسی ہو گی تو میں ایسے کی تلاش میں ہوں کہ جس کا سینہ سوراخ سوراخ ہو۔ دل سوراخ سوراخ ہو اور ہر سوراخ سے محبوب کی یادیں اور سوراخ کے اندر محبوب کی یادوں کا چراغ جل رہا ہو اور جب اُس کو دیکھ کر میں اپنا نغمہ چھیڑوں۔ کمال ہے دوستو۔

اور یہاں حضرت صائب تبریزیؒ فرماتے ہیں: جو آدمی مصائب سے لذت گیر نہ ہو اور درد کا مزہ شناس نہ ہو اُس کے سامنے درد کی باتیں کرنا ایسے ہے جیسے بھینس کے آگے بین بجانا۔ وہ کبھی کان کھڑے کر لے گی کہ اسے کیا ہوا، پھر وہ گھاس چرنا شروع کر دیتی ہے اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

تو جو لوگ حقیقی درد سے محروم ہوتے ہیں اُن کے سامنے حقیقت کی باتیں چھیڑنا اسی طرح ہے جیسے جاہل کے سامنے علم کی باتیں کرنا۔ بھینس کے سامنے درد کا نغمہ چھیڑنا۔ اس لیے یہ فرماتے ہیں کہ جب تک اس طرح کی صورت نہیں ہو گی تو بات بنے گی نہیں۔ لیکن کمال یہ ہے کہ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اپنا درد دوسرے کو کیوں سناتے ہو؟ فرماتے ہیں: ہم نے اکثر دیکھا ہے ایک لکڑی جل رہی ہوتی ہے اس میں اتنا جوش و

جذبہ نہیں ہوتا لیکن جب دو جلنے والی اکٹھی ہو جائیں تو شعلے بھڑکنا شروع ہو جاتے ہیں۔ شعلے بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

دو عاشق را به هم بهتر بود روز
دو هیزم را به هم خوشتر بود سوز

() سعدی، بیت ۳۲

ہمیں بھی دردمند بندہ چاہیے کہ جس طرح جلنے والی لکڑی کے شعلے میں اضافہ کرنے کے لیے دوسری لکڑی شامل کر لی جاتی ہے میرے درد میں بھی کوئی دوسرا شریک ہو جائے۔

حضرات! یہاں میں ایک بڑا لطیف نکتہ آپ کے سامنے رکھوں کہ یہ ازل میں پرورش پانے والی روحیں اِن کو خدا نے اپنے جلوے دیے۔ ذرا تفصیل ایک منٹ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جب روحیں اکٹھی تھیں نا تو اللہ ﷻ نے سب روحوں کو جدا نہیں کیا تھا تو سب ارواح پر اپنی تجلّی فرمائی۔ اُس وقت ارواح کا ایک گروہ ایسا تھا جس پر روشنی نہیں آئی اور ایک گروہ ارواح کا ایسا تھا جس پر روشنی لگی اور ختم ہو گئی اور پھر ایک اُس میں سے تیسرا نکلا جس پر روشنی لگی اور لگی ہی رہی۔ **جس پر ازل سے روشنی نہیں لگی وہ سب کافر ہو گئے اور جن پر تھوڑی سی لگی اور چشم زدن میں بند ہو گئی یہ سب منافق ہو گئے اور جن پر روشنی لگی ہی رہی یہ سب مومن ہو گئے۔** جو سب مومن تھے اُن میں تین درجے تھے: کسی کو قریب رکھا، کسی کو اُس کے پیچھے اور کسی کو اُس کے بھی پیچھے رکھا۔

روشنی سب کو دی لیکن کوئی قرب میں رہے اور کوئی اُس سے زیادہ قرب میں رہے، کوئی اُس سے بھی زیادہ قرب میں رہے۔ جو سب سے زیادہ قرب میں روحیں رہیں یہ مرسلین انبیاء علیہم السلام بن گئے اور جو اُن کے پیچھے تھے وہ سب خواص مومن بن گئے اور جو روحیں اُن سے پیچھے رہ گئیں وہ خاص مومن اور جو اُن سے بھی پیچھے رہ گئیں وہ عام مومنین کی روحیں تھیں۔ اُن سب روحوں کو اللہ نے اپنا پیار پلایا، اُن سب روحوں کو اللہ نے عشق کا قطرہ عطا فرمایا۔ عشق کو اللہ ﷻ نے یوں تقسیم فرمایا۔

یہاں ایک بڑی خوبصورت بات ہے، یہ عشق ایسا نہیں کہ بندے کو ملا اور خداوند تعالیٰ اُس کے اثر کو اپنے سامنے محسوس نہ فرمائے: مثلاً خدا نے رزق دیا ہے کوئی اثر نہیں، پانی پلایا ہے بندے کو کوئی اثر نہیں، کپڑے دیے کوئی اثر نہیں، بشری لباس دیا کوئی اثر نہیں۔ بیوی، بچے، اولاد، والدین، رشتہ دار، دوستی، تخت، تاج، راج، بخت، دولت، ثروت، امارت وحکومت، جاہ و جلال، مال، منال سب کچھ دیا رب نے دیا سب کچھ دے کر بھی پرواہ نہیں۔ لیکن جب محبت کی باری آئی تو فرمایا: اثر ادھر بھی ہو گا جلن اُدھر بھی ہو گی۔ اگر اثر نہیں ہو گا تو یاد بھی

نہیں ہو گی۔ اس لئے فرمایا: اس محبت کو یوں تقسیم کرتے ہیں کہ میں اپنی محبت میں سے جتنا جتنا تم برداشت کرو ہم تمہیں دیتے ہیں۔

اُن روحوں کو محبت دے دی۔ محبت دینے کے بعد پھر اپنا دیدار دیا۔ پہلے دیدار دیا پھر محبت دی۔ محبت میں جب جولانیاں عطا کیں، سوز و گداز اور عشق کی مستی عطا کی، جدا کر کے دنیا میں بھیج دیا، اب روح وہ لذت چاہتی ہے ملتی نہیں۔ اب روح وہ ملاقات چاہتی ہے ملتی نہیں، اب روح وہ قرب چاہتی ہے ملتا نہیں، اب روح پھر خدا سے ہم کلامی کا مزہ دیکھنا چاہتی ہے ملتی نہیں، تو پھر رونا شروع ہو گئی۔ پھر آ کے روح کہتی ہے:

سینه خواهم شرحه شرحه از فراق

تا بگویم شرحِ درد اشتیاق

روتی کیوں ہے؟ آپ کو پتہ ہے نا سانپ جب گھس جائے اپنے سراخ میں تو نکلتا نہیں ہے تلاش کے باوجود اور جب بین بجائی جائے تو اندر سے رقص کرتا ہوا باہر نکلتا ہے۔ بجائے کاٹنے کے وہ بین والے کے سامنے رقص کرنا شروع کر دیتا ہے۔ تو یہ روح جو رو رہی ہے نا، یہ اس لئے روتی ہے کہیں آواز تقسیم ہو جائے۔ میری جیسی کیفیت کسی روح میں ہو۔ وہ باہر نکلے تو ہم اس فرقت کے درد کو آپس میں بانٹیں تو سہی کہ تیرا کیا حال ہے اور مجھ پر کیا گزری؟ اس لئے وہ زار و قطار روتی ہے۔ کہتی ہے کہ جب دردِ اشتیاق نے ستایا ہے تو حضرات! یہ روح آئی اس دنیا پر لیکن اکیلی نہیں آئی۔ وسیلے کے ساتھ آئی ہے۔ اس روح کا یہاں آنا وسیلے کے ذریعے ہے۔ اس لیے بہترین وسیلہ دو چیزیں بنی ہیں باپ اور ماں۔ باپ اور ماں دونوں نے مل کر جو تیسرے وجود کو جنم دیا ہے اُس میں وہ روح اتری۔ اب روح جو اس وجود میں آئی تو رونا شروع ہو گئی۔ ارے کہاں سے آئی ہوں؟ اب مجھے کوئی چاہیے:

سینه خواهم شرحه شرحه از فراق

اب وہ روتی ہے کہ اب کوئی مجھے ایسا ملا جو پھر مجھے وہاں ہی لے جائے۔ تو اس رونے والے کو اچانک اُس بارگاہ کا آشنا 'پیر' مل گیا۔ پیر نے پھر اسے مراقبے سکھائے کہ اِدھر دیکھ کہ کیوں روتی ہے، اِدھر دیکھ کہ کیوں پریشان ہوتی ہے؟ اِدھر کیوں واویلا کرتی ہے؟ اِدھر کیوں گریہ کناں ہے؟ کیوں درد آشنا نہیں؟ چپ ہو جا۔ وہ ہر جگہ نہیں ملتا۔ آنکھیں بند کر کسی کو نہ دیکھ۔

تم دیکھو گے عورتیں نظر آئیں گی، خیال بدلے گا۔ مرد نظر آئیں گے، خیال بدلے گا۔ گاڑی نظر آئے گی، خیال بدلے گا۔ سائیکل نظر آئے گی، خیال بدلے گا۔ کتا نظر آئے گا، خیال بدلے گا۔ بیل نظر آئے گا، تو خیال بدلے گا۔ تو یہ جتنے مناظر بدلتے جائیں گے، خیال بدلتے چلے بدلتے جائیں گے۔ تو بہتر یہ ہے کہ یہ

مناظر اور خیال بدلنے والی آنکھ بند کر اور ساری توجہ دل کی طرف کر۔ چونکہ جب بھی محبوب بے پردہ نظر آئے گا تو وہ دل کے آئینے میں نظر آئے گا۔ اس لئے ساری توجہ ہٹا کر اپنے دل کی طرف کر لے اور اسی کو مراقبہ کہتے ہیں۔

حضرت باقی باللہؒ سے کسی نے پوچھا: حضرت! مراقبہ کسے کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں: دو ہی تو ترجمے ہیں اس کے۔ ایک عملاً مظاہرہ ہے اور ایک ترجمہ کے اعتبار سے۔ فرمایا: ترجمہ کیا ہے؟ ترجمہ یہ ہے کہ محبوب کی آمد کے انتظار میں اتنا گم ہو جائے کہ اُس کے سوا کوئی یاد نہ رہے، اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ تو فرمایا: عملاً کیسے؟ حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ میں نے بلّی دیکھی اُس کو چوہا نظر آیا تو وہ چوہے کو پکڑنے کے لیے اپنے پاؤں پر تُل گئی۔ ایک پاؤں اٹھا لیا۔ تین پاؤں پر تُل گئی۔ دُم ساقط ہوگئی، کان جہاں تھے وہاں رک گئے، نظر جہاں تھی وہاں ہی رک گئی۔ اس طرح لگ رہا تھا جس طرح بے جسم ایک تصویر کھڑی ہے۔ جونہی چوہا قریب آیا اُس نے جھپٹ کے چوہا پکڑ لیا۔

میں نے سمجھ لیا کہ ہر شئے سے بے نیاز ہو جانا ہی شکار میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ ہر شئے سے بے نیاز ہونا ہی شکار میں کامیابی ہے۔ بلّی دائیں بائیں دیکھتی تو چوہا بھاگ گیا ہوتا۔ اس لیے ہر وہ بلّی، ہر وہ بلاّ جو اِدھر اُدھر دیکھے وہ کامیاب نہیں ہوگا۔ وہ شکار میں کامیاب نہیں ہوتے۔

وہ صوفی جو دنیا کو بھی پنجے مارے اور مراقبے بھی کرے اور مراقبے میں بھی دنیا کو دیکھے تو وہ کروڑ سال میں بھی شکار میں کامیاب نہیں ہوتا۔

اس لیے ہم دنیاوی نظر کو بند کر کے دل پر رکھتے ہیں اور دل کی نظر کھولتے ہیں۔ کیونکہ جب دل کی نظر کھلے تو وہ دنیا نہیں دیکھتا وہ خالق کو دیکھتا ہے۔ اُدھر توجہ لگی رہتی ہے۔ اس لیے فرمایا:

سینہ خواهم شرحه شرحه از فراق

تا بگویم شرحِ درد اشتیاق

آگے ایک بات اور ہے، میں اسی پر اکتفا کروں گا۔ آج صرف تین شعر میرے اور آپ کے درمیان اس گفتگو کے لئے وسیلہ وصل رہیں گے۔ جب یہ ختم ہوں گے تو فصل۔

بات سنو! میں اور آپ اس درجے کے لوگ تو نہیں کہ ہم آنکھیں بند کر کے سر جھکا لیں اور اپنے محبوب کو پا لیں۔ اس درجے کے لوگ ہم نہیں ہیں لیکن سنو تو سہی! اس درجے والوں کی بات کرنے میں کتنا مزہ ہے۔ بات کرنے والا بھی نشے میں ہے اور بات سننے والے بھی نشے میں ہیں۔ تو جس کی بات کر کے نشہ روح پہ چڑھ جائے اُس کا اپنا عالم کیا ہوگا اُس بندے کا؟ تو پھر اُس درد میں وہ روئے نہ تو کیا کرے؟ اسی لیے اب

تیسری جگہ جناب رومیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

هر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش
باز جوید روزگار وصلِ خویش

جو بھی اپنی حقیقت سے جدا ہوا اور دردِ ہجر لے کے آیا وہ پھر کوشش کرتا ہے کہ وہی دن آئیں، جدائیاں ختم ہوں اور وصل کی عید کا سویرا ہو جائے۔

حضرات گرامی! میں آخری بات ایک عرض کرتا ہوں۔ والدین کے ذریعے نیچے آئی ہیں روحیں اور پیر کے ذریعے پھر اسی عروج کو حاصل کیا۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ: والدین کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ میں پوچھتا ہوں جس نے قرب سے دُوری پر پہنچایا اُس کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور جس نے دُوری کو پھر قرب میں تبدیل کیا اُس کا عالم کیا ہوگا؟ اُس کا مرتبہ کیا ہوگا؟

رمضان کا مہینہ تھا ایک شخص نے ایک لڑکی (پہلے زمانے میں خادمائیں فروخت ہوا کرتی تھیں) جا کے دیکھی۔ چہرہ زرد، لب خشک، آنکھیں نمناک، جسم غمناک ہے۔ نوجوان مگر طبیعت ویران۔ منظر حیران۔ قریب جا کے بولا: بیٹی! اگر تم خفا نہ ہو میں تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا: ہم اپنے مالک کے نام پہ بِک چکے ہیں۔ جہاں مالک جہاں لے کر لے جائے گا چلتے ہی رہیں گے۔ اپنا آپ چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بِک گئے ہیں مالک کے نام پر۔

اُس نے یہ سمجھا کہ شاید اس آدمی نے اس کو فروخت کیا ہے۔ یہ اُس کو اپنا مالک کہتی ہے، لیکن وہ اندر سے کہہ رہی تھی کہ ایک ہی تو ہے مالک کہ جس کے نام پر بکے ہوئے ہیں۔ چلے گئے ستائیسویں شب تھی، ستائیسواں روزہ تھا تو اُس نے کہا: بیٹے! چلو بازار چلتے ہیں، کچھ سودا سلف لیتے ہیں۔ راستے میں اُس لڑکی نے پوچھا: میرے آقا! میرے مولا! یہ بتاؤ کیا خریدیں گے؟ سودا۔ گروسری کی شاپ یہاں نزدیک ہے وہاں چلتے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ یہ سامان کھانے پینے کے لیے ہے۔ جنہوں نے تیس روزے رکھے ہیں، ہاں بیٹے! اُن کے لیے ہے جو تین دن کے بعد عید کریں گے۔ میرے آقا! پھر مجھے بتاؤ نا کہ جس کو ایک زمانہ ہو گیا روزے رکھے ہوئے اور اُس کا چاند کبھی نظر نہیں آیا، بتاؤ اُس کی عید کب ہوگی؟ اُس نے کہا: بیٹے! میں سمجھا نہیں۔ تو وہ کہنے لگی: میرے درد کی روداد جدا ہے۔ چلو آٹا، دال، گوشت خریدتے ہیں۔ مجھے اپنے درد کا کوئی واقف ملا تو میں پوچھوں گی اُس سے۔

حضرات! عید آئی، کھانا پکا، وہ لڑکی اٹھی اُس نے اپنی سیدہ (مالکن) اور مالک دونوں سے پوچھا: آپ کے مہمانوں کا کھانا تیار ہو گیا، آپ کی عید کا وقت آ گیا، کھانا تیار ہے اور دسترخوان پر لگ گیا ہے مجھے اجازت

ہے؟ آپ کا چاند نظر آ گیا آپ عید کریں۔ مجھے اجازت ہے کہ میں اپنے چاند سے پوچھوں کہ دنیا والے چاند دیکھ کے عید کرتے ہیں میرے چاند آپ کب چمکیں گے کہ میری عید ہو؟

حضرات! عید کا وقت تھا لوگ کھانا کھا رہے تھے اور اُس (لڑکی) نے دونفل کی نیت باندھی، جونہی سر سجدے میں گیا تو آواز آئی: میرے چاند کبھی تم نکلتے باہر کہ میں تجھے دیکھ کر عید کر لیتی۔ مجھے ۱۲ (بارہ) سال ہوئے ہیں روزہ رکھے ہوئے اور میری عید نہیں ہوئی۔ بس یہ کہنا تھا کہ ایک چیخ نکلی اُس کے منہ سے۔ مالک اور مالکن دوڑتے ہوئے اُس بچی کے پاس گئے، دیکھا تو وہ ہمیشہ کے لیے سوگئی تھی۔ اُس کی روح پرواز کر گئی۔

دفتر اوّل

نشست چہارم

گفت طوفی کن بگردم هفت بار

ویں نکوتر از طواف حج شمار

انہوں نے فرمایا:

میرے گرد سات بار طواف کر لے اور اس کو حج کے طواف سے بہتر سمجھ۔

طوفی کن: شیخ کا بایزیدؒ کو اپنے طواف کا حکم دینا غلبہ حال میں تھا، ورنہ طواف بغرض عبادت کعبہ کے علاوہ جائز نہیں۔

نکوتر از طواف: بایزیدؒ کا نفلی حج ہو گا اس لیے یہ فرمایا کہ ایسی صورت میں حج سے بہتر ہے حاجتمند اولیاء پر روپیہ صرف کر دینا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں حج سے بھی زیادہ ثواب مل جائے گا۔

عمرہ کردی عمر باقی یافتی

صاف گشتی بر صفا بشتافتی

تُو نے عمرہ کر لیا اور باقی رہنے والی زندگی حاصل کر لی، تُو پاک ہو گیا، کوہِ صفا پر بھی دوڑ لیا۔

عمر باقی: یعنی ابدی زندگی۔

صفا: کوہِ صفا پر سعی کرنے سے باطنی صفائی حاصل ہوتی ہے۔

حق آن حقی که جانت دیده است

که مراد بربیت خود بگزیده است

اُس خدا کی قسم! جس کو تیری روح نے دیکھا کہ اُس نے اپنے گھر پر مجھے فضیلت بخشی ہے۔

مرا: یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبے کو خطاب کر کے فرمایا تھا: کہ مومن تجھ سے افضل ہے۔

کعبه هرچندی که خانه بر اوست

خلقت من نیز خانه سر اوست

ہرچند کہ کعبہ اُس کی عبادت کا گھر ہے۔ میرا وجود بھی اُس کے اسرار کا گھر ہے۔

کعبہ: یعنی عبادت خانہ ہے۔

خانہ سر: یعنی اسرارِ الٰہی کا مخزن ہے۔

تا بکرد آن خانه را در وی نرفت

واندریں خانه به جز آن حی نرفت

جب سے اُس نے وہ گھر بنایا ہے اُس میں نہیں گیا اور اُس گھر میں اُس حی و قیوم کے علاوہ کوئی نہیں گیا۔

تا بکرد: یعنی حضرت حق جل جلالہٗ کو جو تعلق قلب مومن سے ہے وہ تعلق کعبہ سے نہیں ہے۔ اسی لیے قلب مومن تجلیات باری کا زیادہ مظہر ہے۔

چوں مرا دیدی خدا را دیده ای

گرد کعبه صدق بر گرد دیده ای

جب تُو نے مجھے دیکھا تو گویا خدا کو دیکھا ہے۔ سچائی کے گرد تُو نے طواف کیا ہے۔

چوں مرا: یعنی اتحاد کی وجہ سے اہل اللہ کی زیارت گویا خدا کی زیارت ہے۔

چشم نیکو باز کن در من نگر

تا بینی نور حق اندر بشر

اچھی طرح آنکھ کھول، مجھے دیکھ تا کہ تُو بشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نور دیکھے۔

کعبه را یکبار بیتی گفت یار

گفت یا عبدی مرا هفتاد بار

دوست (اللہ ﷻ) نے کعبہ کو ایک بار کہا تُو میرا گھر ہے، مجھے ستر بار اے بندے کہا ہے۔

آمد از وی بایزید اندر مزید

منتہی در منتہا آخر رسید

ان سے بایزیدؒ بڑھوتری میں پہنچے۔ کامل (مرید) مرتبہ کمال پر پہنچے۔

آمد: اس گفتگو سے حضرت بایزیدؒ کے مقامات بڑھے، پہلے بھی ولایت کا کمال حاصل تھا۔ اس گفتگو سے مزید کمال حاصل ہوا۔

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم، أما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم.

بسم الله الرحمن الرحیم.

معزز حاضرین! مجھے اس بات کی خوشی ہے اور میں اسے اللہ رب العزت کی عنایت اور سرورِ عالم نورِ خدا حبیب کبریا نبی اکرم ﷺ کا بے پایاں کرم سمجھتا ہوں کہ ہر روز اہل محبت یہاں فراوانی شوق کے تحت حاضر ہوتے ہیں۔ اور آپ سب حاضرین کی وجہ سے اللہ رب العزت میرے روحانی شوق میں اضافہ فرماتا ہے اور مجھے مزید نیکیوں کی لگن ہی نہیں بلکہ حرص پیدا ہوتا ہے۔

اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ سب لوگوں کا آنا مجھے فائدہ پہنچا رہا ہے اور میں چونکہ ایک وجد و حال سے تعلق رکھتا ہوں، اصول یہی ہوتا ہے کہ جہاں محبتوں کے رشتے ہوں وہاں آدمی اپنی محبوب شئے دسترخوانِ محبت پر سجا کر پیش کرتا ہے۔ چونکہ اپنے کیفیات اور وجد و حال کے جو تھوڑے تھوڑے خدوخال ہیں وہ دسترخوانِ محبت پر حروف کے برتنوں میں سجا کے آپ کی روح کے سامنے رکھتا ہوں۔ جسم محسوس کرے نہ کرے آپ کے چہرے گواہی دیتے ہیں کہ روح کے اندر کیفیات اپنا اثر دکھا رہی ہیں۔ گویا آپ کا آنا میرے لیے سامانِ سعادت ہے۔

اور مثنوی شریف کے حوالے سے آپ کے وجد و حال میں استحکام، یہ آپ کی بخشش اور قبولیت کی ایک خوبصورت تدبیر ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو صراط مستقیم پر اس شدت احترام اور اس محکم انتظام کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ کے محبوب کریم علیہ التسلیم ہم سے راضی ہو جائیں۔ اپنی عادت پوری کرنے اور روح کو ہلکی پھلکی غذا مہیا کرنے کے لیے اپنا اسلوب بیان اس میں فقدان مناسب نہیں سمجھا۔ ورنہ آج اندر کی کیفیت تو ٹھیک ہے لیکن جسمانی حال بے حال ہونے کی وجہ سے آج اظہارِ کمال نہیں کر سکے گا۔ تاہم میں ایک بات بڑی خوبصورت پاکبازوں کی نسبت سے کر دیتا ہوں تاکہ رحمت کا نزول ہو۔

حضرت بایزید بسطامیؒ جو طریقت کے امام اور شریعت کے احکام میں سب سے اوّل ترین محبوب شخصیت تھے، جن کا وجد و حال اور احکام شریعت کے اندر اُن کے ارشادات اور طریقت کے اندر اُن کے فرمودات اور رات و دن کے معمولات عظیم المثال اور فقید المثال ہیں۔ اللہ رب العزت اپنی قدرتوں کا وارث

ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔لیکن حالات کے آئینے میں جو چیز نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال قیامت تک کوئی پیش نہ کر سکے گا اور وہ سلسلہ نقشبندیہ کی بہاریں وجہ سکون وقرار ہیں اور ہر وقت دائماً موردِ الطاف کا انوار ہیں۔

کتب تصوف میں یہ روایت موجود ہے۔حضرت بایزید بسطامیؒ پر حج فرض نہیں تھا مگر فراوانی شوق کی وجہ سے حج کے لئے تیار ہو گئے۔ اصول اور قانون یہ ہے اور حکم رب العالمین اس طرح ہے کہ فراخی ہو، فراوانی ہو اور اخراجات کے سلسلے میں دقت نہ ہو تو پھر حج کے لیے حکم صادر ہوتا ہے۔لیکن یاد رکھیں کہ جنون، شوق، غلبہ ذوق اور محبوب کے دیدار کی چاہت یہ قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ قانون کے تقاضے کچھ اور ہیں مگر شوق و وجدان کے تقاضے کچھ مختلف ہیں۔ حج فرض نہیں، کیونکہ دولت نہیں مگر روانہ ہو گئے کیوں؟ حج تو صاحب حال نہ ہو اور صاحب مال ہو تو فرض ہے۔مگر جو صاحب حال ہیں انہیں مال کی کیا محتاجی ہے؟ انہیں دیدارِ یار مطلوب ہے۔ کچھ ہو نہ ہو وہ ہیں تو سب کچھ ہے۔کمی کیا ہے؟ چلو چلتے ہیں۔ چلتے چلتے راستے میں انہیں پتہ چلا کہ یہاں ایک ولی اللہ قیام فرما ہیں۔ انہوں نے کہا: اُن کو مل کر چلتے ہیں۔تو سیدھے بایزید بسطامیؒ اُن ولی اللہ کے پاس پہنچے۔

علیک سلیک اور چار نگاہی کے بعد وہ بزرگ صاحب حال با مقام فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی منزل پر رہنے والے انہوں نے پوچھا: کیا آپ بایزید ہیں؟ ہاں۔ کہاں جا رہے ہیں؟ میں تو کعبہ کا طواف کرنے جا رہا ہوں۔ اچھا آپ کعبے کا طواف کرنے جا رہے ہیں پیسے کتنے ہیں تمہارے پاس؟ عرض کیا: میرے پاس صرف دو سو سکّے ہیں چاندی کے اور دیکھو یہ باندھ کے رکھے ہوئے ہیں دو سو درہم ہیں۔

آپ نے فرمایا: اسے کھول کر پیش کر دو اور یہ سب مجھے دیں اور میرا طواف کریں۔ اور وہ جو وہاں جا کے تمہیں لذت ملے گی اُس سے بیس گنا زیادہ برکات تمہیں یہاں مل جائیں گی۔ رکھو پیسے یہاں اور اٹھو طواف کرو۔ اور کمال یہ ہے کہ وہی برکت ملے گی۔ یہاں احرام کی بھی ضرورت نہیں۔ صفا و مروہ میں دوڑنے کی بھی ضرورت نہیں اور بال کٹوانے کی بھی ضرورت نہیں اور قربانی دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف مجھے دیکھتے جاؤ چکر لگاتے جاؤ اور پھر آنکھ بند کر کے دیکھنا منظر کیا ہو گا۔

حضرت بایزید علیہ الرحمہ نے 200 چاندی کے سکّے آپ کی خدمت میں پیش کئے اور اٹھ کے آپ نے طواف کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ قدم قدم کعبہ شریف کو طواف کے اندر، قدم قدم گھوم رہا تھا اور نظر نظر کعبہ دیکھ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: بس پورے ہو گئے بیٹھ جاؤ۔ آپ نے شفقت فرمائی۔

حضرات! تحقیق اس طرح ہے اور یہاں ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کا طواف شرعاً جائز نہیں۔ وہ تو ولی اللہ ہیں انہوں نے اپنے طواف کا حکم کیوں دیا؟ اور یہ جو کامل لوگ ہوتے ہیں

یہ خلاف شرع کام نہیں کرتے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ خود اُس نے کہا کہ دولت چھوڑو۔ یہ دو سو درہم کس لئے تم نے رکھے ہیں؟ بے مقصد چیز ہے۔ اُس کو کہا بے مقصد اور خود لے لیے؟ یہی تو قابل اعتراض بات ہے کہ جو چیز اُس کے لیے اچھی نہیں تھی وہ آپ کے لیے کیونکر اچھی ہے؟ جو چیز اُن کے راستے میں رکاوٹ بن رہی ہے وہ آپ کے لیے ذریعہ آبرو کس طرح بن گئی؟

تو شارحین اور تصوف کی روح کو سمجھنے والے بالخصوص بحرالعلوم میں لکھا ہے، دیگر اکابرین بھی لکھتے ہیں کہ یہ جو انہوں نے طواف کے لیے کہا یہ انہوں نے کیفیت حال میں کہا، یہ محویت کا عالم تھا۔ وجد و حال کی کیفیت تھی۔ آپ مرکز قال سے نکل کر حال میں چلے گئے تھے۔ وجود سے نکل کر روح میں داخل ہو گئے تھے۔ کون و مکاں کی حد بندیوں سے نکل کر جلوۂ الٰہی میں گم ہو گئے تھے۔

جو حقیقت کعبے کی تھی وہ حقیقت اُن پر وارد ہوئی اور وہ تجلیات جو کعبے پر رقص کر رہی تھیں وہی تجلیات اِدھر پہرا دے رہی تھیں۔ تو کہا: وہ معاملہ جو وہاں ہے وہ اِدھر ہے۔ اِدھر طواف کرو گے اُدھر طواف ہو جائے گا۔ گویا اپنا طواف نہیں کروایا تھا بلکہ تجلیات کا طواف کروایا تھا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ پر حج فرض نہیں تھا یہ حج نفل تھا۔ اور جتنے نفل ہوتے ہیں اُن کا ثواب لازمی ہے۔ لازمی اُس کو کہتے ہیں جو صرف اپنی ذات تک محدود ہو اور دوسرا ثواب متعدی ہے جو اپنی ذات سے نکل کر کائنات میں پھیل جائے، وہ فیض متعدی ہوتا ہے اور جو اپنی ذات تک محدود رہ جائے یہ ثواب لازمی۔ تو آپ نے فرمایا: یہ جو دو سو درہم لے کر جاؤ گے یہ لازمی ثواب تیری ذات تک رہے گا۔ یہاں رکھو تا کہ ثواب متعدی ہو جائے۔ ظاہری طور پر ثواب تمہیں زیادہ ملے اور باطنی طور پر تم پر کرم کا اظہار آناً فاناً ہو اور کثیر ہو۔

یہاں شیخ بایزیدؒ کو فرماتے ہیں:

گفت طوفی کن بگردم هفت بار

ویں نکوتر از طواف حج شمار

میرے اردگرد اس نیت سے طواف کرو گے تو حج سے زیادہ ثواب ملے گا۔

عمره کردی عمر باقی یافتی

صاف گشتی بر صفا بشتافتی

ایک حج ہوتا ہے اور ایک عمرہ۔ حج کے دنوں میں اُس کے احکام پورے کرنے کا نام حج ہے اور اس

کے علاوہ کعبہ شریف کی زیارت اصولوں کے مطابق یہ عمرہ کہلاتی ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ:

عمره کردی عمر باقی یافتی

تم نے عمرہ تو کر لیا ہے نا اور اس عمرے کے ذریعے سے تم نے ایسی عمر پائی ہے جس کا تعلق موت سے علیحدہ ہے۔ ہمیشہ رہنے والی عمر مل گئی تم کو۔

صاف گشتی بر صفا بشتافتی

تیرا جسم پاک ہو گیا، تیری روح پاک ہوگئی، تیرا خیال پاک ہو گیا۔ تیرا حال، چال، قال، مقال پاک ہو گیا۔

تیری دنیا اور مال پاک ہو گئے۔ تُو ایسا پاک ہو گیا کہ مقام صفا و مروہ پر جا کر جو تجھے پاکیزگی ملنا تھی وہ تجھے یہیں مل گئی ہے۔

حق آن حقی که جانت دیده است

که مراد بربیت خود بگزیده است

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: قسم رب کی! جو پوری کائنات کا مالک ہے اور جس نے اپنی محبوبیت کی چادر کے اندر اپنے دوستوں کو پال رکھا ہے۔

جانت دیده است: تیری روح نے اُس کے انوار دیکھے ہیں۔ جانتے ہو؟

که مراد بربیت خود بگزیده است

وہ بیت اللہ ہے اور ہمارا نام عبداللہ ہے۔ اُس کا نام بیت اللہ ہے اور اُس کو بنانے کے بعد اللہ رب العزت جو انوار نازل کرتا ہے وہ بالکل محدود ہیں اور جو ہم پر انوار نازل کرتا ہے یہ ساری کائنات پر محیط ہیں اور ہم کو کعبہ پر فضیلت دی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا: (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ رب العزت کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے۔

() **ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ۲: ۱۲۹۷، رقم:**

۳۹۳۲

۲۔ طبراني، مسند الشاميين، ۲: ۳۹۶، رقم: ۱۵۶۸

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۰۱، رقم: ۳۶۷۹

حضرات! مومن کی تعریف تو خیر آپ جانتے ہی ہیں لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کون مومن ہو گا اور جو یہ سب کچھ دیکھ کر فیصلہ کر رہے ہیں تو کیا وہ غلط کہہ رہے ہیں؟ وہ اپنی حقیقت بھی دیکھ رہے تھے، مومن کا مقام بھی دیکھ رہے تھے، کعبہ کا مقام بھی دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں کا مقام دیکھنے کے بعد باخبر ہوئے کعبہ کی حقیقت سے اور باخبر ہوئے مومن کے مقام سے۔ اور جب ان دونوں کو آمنے سامنے رکھا تو فرمایا: جس رب ذوالجلال نے تجھ میں عظمت پیدا کی اُس کی قسم ہے کہ مومن تجھ پر فضیلت رکھتا ہے۔ پھر یوں سمجھو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ سے افضل ہوئے۔ یوں سمجھو نا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ سے فضیلت والے ہوئے۔ کیا شان ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی۔

طواف کرنے لگے تو حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ کیا شان ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی۔ بات بات میں ایسا نکتہ نکالتے ہیں اور توحید اور خدا سے، حضور تاجدارِ کائنات ﷺ اور اُن سے قربت اور اُس قربت کی لطافت اور لطافت کی عظمت جب اس پر نظر رکھتے ہیں تو بول پڑتے ہیں کہ:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ.

() بخاری، الصحیح، کتاب: الحج، باب: ما ذُکر فی الحجر الأسود، ۲: ۵۷۹، رقم: ۱۵۲۰، ۱۵۲۸

مسلم، الصحيح، كتاب: الحج، باب: استحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف، ۲: ۹۲۵، رقم: ۱۲۷۰

میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔

اے پتھر! تو پتھر ہی ہے نا؟ میں جانتا ہوں کہ تو قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم بہت بڑے ہو۔ میں تجھے اس لیے نہیں چوم رہا کہ تم بہت بڑی فضیلت کے مالک ہو۔ میں صرف تمہیں اس لئے غور سے دیکھ رہا ہوں میں دیکھنا چاہتا ہوں میری سرکار ﷺ نے اپنے لب تیرے کس حصے پر رکھے ہیں؟ میں ادائے رسول ﷺ چوم رہا ہوں۔ تمہیں کیوں چوموں میں؟ میں تاجدارِ کائنات ﷺ کی اُس پاکیزہ معصوم ادا کو چومنا چاہتا ہوں۔ میں وہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیسے تاجدارِ کائنات ﷺ نے اپنے پاکیزہ لب تیرے وجود پہ رکھے اور تجھے عظمتوں سے مالامال کر دیا۔ وہ کعبے کا ایک حصہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ساری کیفیت کو جب بیان کر چکے تو حضرت رومیؒ یہاں آ کر حقیقت سے تھوڑا سا پردہ اٹھاتے ہیں:

کعبہ ہر چندی کہ خانہ بر اوست

یہ بھی مخلوق ہے میں بھی مخلوق ہوں، مگر یہ بیت اللہ ہے اسے اللہ رب العزت نے کہا ہے میرا گھر اور مجھے فرمایا: میرا بندہ۔ کیا خوب توجیہ ہے دیکھتے چلئے! مخلوق یہ بھی ہے مخلوق مومن بھی ہے، مگر یہ خانہ بر اوست یہ اُس کی بندگی کا خانہ ہے۔ یہ اُس کی بندگی کا گھر ہے۔

خلقت من نیز خانہ سر اوست

میں بھی مخلوق ہوں مگر میں اُس کے راز کا حامل ہوں۔

یہاں بندگی کے لئے سر جھکتا ہے اور میرے اوپر اللہ رب العزت کے راز اترتے ہیں۔ میں رازِ خدا ہوں، یہ خانہ خدا ہے۔ یہ عبادت خدا کا مرکز ہے اور میں امینِ رازِ خدا ہوں۔ یا رب عزوجل! کیا عجیب بات ہے کہ بندہ رازِ خدا ہے۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا:

الإِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّهُ.

() **روح المعانی، تفسیر سورة البقرة**
عبدالقادر جیلانی، سر الأسرار، ص ۳۶

انسان میرے رازوں میں سے ایک راز ہے میں اُس کا راز ہوں۔

اسی لئے فرمایا گیا:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ.

() **أصبهانی، حلیة الأولیاء، ۱۰: ۲۰۸**

جس نے اپنی حقیقت کو پہچان لیا اُس نے اسی وقت اپنے رب کو دیکھ لیا۔

جس نے اپنا آپ پہچان لیا اُس نے گویا خدا کو پہچان لیا۔ کیونکہ بندۂ مومن رب ذوالجلال کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بندہ یہ مومن ظاہر ہے خدا باطن ہے۔ یہ نظر آتا ہے وہ نظر نہیں آتا یا وہ نظر آتا ہے یہ نظر نہیں آتا۔ یہ اُس کا راز ہے وہ اِس کا راز ہے۔ اِدھر توجہ کریں انسان اور انسان کی توجہ کریں تو رحمٰن۔ یہ کیسے؟ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ دونوں ایک ہو گئے ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔

دیکھا آپ نے؟ دریا میں جب لہریں آتی ہیں، موجیں اٹھتی ہیں دریا میں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ موجِ دریا ہے۔ آج تک کسی نے موج کو دریا نہیں کہا۔ دریا موج نہیں، موج دریا نہیں، لہر دریا نہیں اور دریا لہر نہیں ہے لیکن لہر اور دریا، موج اور دریا دونوں ملے ہوئے ہیں جدا نہیں ہیں۔ وہ اور ہے یہ اور ہے۔ ہے اُسی کا پَرتَو، ظل اُسی کا، کرم اسی کا، مگر وہ موج ہے اور یہ دریا ہے۔ یہ بندہ وہی ہے اور وہ یہ ہے۔ وہ کیسے؟ یہ اُس کا فیض ہے ظل اور اُس کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ خدا نہیں ہے اور خدا سے جدا بھی نہیں ہے۔

آگے وہ بڑی خوبصورت بات فرماتے ہیں۔ باریک باریک نکات وہ پیش کرتے ہیں۔

تا بکرد آن خانه را در وی نرفت

واندریں خانه به جز آن حی نرفت

معلوم تو ہے نا یہ خانہ کعبہ اُس کا گھر ہے۔ تو کیا گھر کبھی مالک سے جدا ہوا؟ مالک گھر ہی میں رہتا ہے۔ یہ کیسا گھر ہے کہ اس گھر میں کبھی وہ آیا ہی نہیں۔ بات نہیں سمجھے آپ۔ میں ایک باریک نکتے کی طرف لے کر جا رہا ہوں۔ ہر آدمی، ہر مالک اپنے گھر کے اندر جاتا ہے، یہ گھر خدا کا ہے، اسے کائنات بیت اللہ کہتی ہے۔ اسے فرشی، عرشی خدا کا گھر کہتے ہیں۔ اسے فلک، ملک، طیور خدا کا گھر کہتے ہیں۔ اور عجیب بات ہے گھر بھی خدا کا ہے، مگر وہ اس گھر میں آیا نہیں۔ اور مومن تو ایسا ہے کہ تیرا دل خدا کا گھر بن گیا وہ یہاں آتا ہے کعبے میں نہیں جاتا۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوۃ والسلام سے ارشاد فرمایا: میرے محبوب ﷺ! زمین آسمان کتنے وسیع ہیں اور یہ سات زمین اور سات آسمان عرش کے صحن میں رکھ دو تو کم ہو جائیں۔

یونہی لوح وقلم، سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور اور جنت سب وسعت در وسعت زمین اور آسمان کتنے وسیع ہیں؟ اِن کی وسعت و پنہائی کا اندازہ کیا کرو گے؟ اے انسانو! آپ کیا اندازہ کرسکو گے کہ میرے جلوے ہر سو بکھرے ہوئے ہیں۔ ساری کائنات میں اتنی طاقت اور گنجائش نہیں کہ وہ میرے جلوؤں کو سنبھال سکے۔ ہاں اگر میں کہیں مل سکتا ہوں یا نظر آ سکتا ہوں:

وَلَكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ.

() المحبة البيضاء، ۲۶/۵

مرقاة المفاتيح، ملا علی قاری، ۱۲۰:۱

وہاں اپنے راز رکھتا ہوں۔ وہاں اپنے ذاتی جلوے رکھتا ہوں۔ وہاں اپنی قدرتیں رکھتا ہوں۔ وہاں

مشاہدے کے لئے ساری صفاتی اور ذاتی برکات و انوار، تجلیات رکھ دیتا ہوں۔ یہ نہیں کہ اُس مکان کے اندر خدا آ کے بیٹھ گیا اور یہ مکان اُس پہ حاوی ہو گیا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ مکان ہمیشہ مکین پر حاوی ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کائنات پر حاوی ہے اسی لیے وہ کسی مکان میں نہیں آتا لیکن کعبے میں ذاتی تجلیات بھیج کر اُس کو اپنا مستقر نہیں بنایا، مومن کے دل کو فرمایا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں آ کر میرے ذاتی جلوے تقسیم ہوتے ہیں اور ہم نے اسی کو پسند کیا ہے۔ اسی کو قبول کیا ہے۔ اب وہ درویشؒ فرماتے ہیں:

چوں مرا دیدی خدا را دیدہ ای

گرد کعبہ صدق بر گرد دیدہ ای

تُو نے مجھے دیکھا ہے؟ ایک ہے یہ گوشت، پوست، یہ آنکھیں، چہرہ، بال کھال یہ جسم ایک ہی ہے۔ ایک اس کے اندر انسان کی اپنی حقیقت ہے۔ اُس کے اندر جب انوار و تجلیات ذاتی وارد ہوتی ہیں تو جب اُس کا مشاہدہ ہوتا ہے تو گویا ایسے لگا جیسے رب کا دیدار ہو گیا ہے۔ ایسے ہوتا ہے۔

گرد کعبہ صدق بر گرد دیدہ ای

میرا ایک طواف حقیقی طور پر، تُو نے کعبے کا طواف کر لیا ہے اس لیے تُو نے تجلیات الٰہی کا مزہ تو چکھ لیا نا؟ آگے فرماتے ہیں:

چشم نیکو باز کن در من نگر

تا بینی نور حق اندر بشر

دل کی آنکھیں کھول۔

چشم نیکو باز کن در من نگر

دل کی آنکھیں کھول، وہ پاک آنکھ کھول جس آنکھ نے گناہ نہ دیکھا ہو۔ وہ پاک آنکھ جو اللہ رب العزت نے اپنے لیے رکھی ہے کہ اپنے جلوے دکھانے کے لئے مومن کے اندر ایک آنکھ رکھی ہے وہ آنکھ کھول تا کہ تجھے پتہ چلے کہ بشری لباس کے اندر اللہ رب العزت کا نور کس طرح آتا ہے۔

حضرات! ایک شعر پڑھنے کے بعد اب میں گفتگو ختم کرتا ہوں اور میں آپ کو نتیجے پر لے جاتا ہوں۔

کعبہ را یکبار بیتی گفت یار

گفت یا عبدی مرا ھفتاد بار

اس بات پر آپ حیران نہیں ہوتے کہ کعبے کو ساری زندگی اللہ نے آج تک ایک دفعہ کہا ہے کہ یہ میرا گھر ہے۔

کعبہ را یکبار بیتی گفت یار

ایک ہی دفعہ کہا ہے میرا گھر۔ جب حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کعبۃ اللہ کی تعمیر مکمل کر چکے تو اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِo

() البقرة، ۲: ۱۲۵

''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک (صاف) کر دوo''

ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام! کعبہ مکمل ہو گیا؟ اب رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں، طواف کرنے والوں، نورِ حق تلاش کرنے والوں کے لیے آپ اس کو صاف کر دیں۔ گویا میرے گھر کو پاک کر دیں۔ ایک ہی دفعہ فرمایا اور انسان، مومن کامل اور بندۂ خاص کو ستر مرتبہ کہا: یا عبدی، یا عبدی، یا عبدی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب مومن منہ سے نکالتا ہے: یا اللہ ﷻ، یا رحمٰن، یا رحیم تو خدا ستر مرتبہ فرماتا ہے: یا عبدی، یا عبدی، یا عبدی۔ صالحین امت کے مکاشفات اور حکایات میں ایسی روایات موجود ہیں۔

آپ محبت سے کہو نا یا اللہ ﷻ! یہ ایک مرتبہ بھی پورا نہیں ہوتا کہ ستر مرتبہ خدا پکارتا ہے: یا عبدی، یا عبدی، یا عبدی اور ساری کائنات میں جو ملکوتی اور روحانی ہیں وہ سنتے ہیں کہ اللہ ﷻ اپنے بندے کو کس طرح پکار رہا ہے اور کس محبت سے بول رہا ہے میرا بندہ، میرا بندہ، میرا بندہ۔ کیونکہ اُس کے منہ پہ بھی میرا نام ہے۔ جب تک دل میں نہ آئے منہ پہ آتا ہی نہیں۔ اور اصل میں برتن دل ہے، مخزن دل ہے، خزانے کی جگہ دل ہے تو دل میں جو جگہ ہوتی ہے، زبان تو دروازہ ہے۔ گھر کی شئے تو دروازے سے نکلتی ہے۔ تو دل میں جو ہے وہ دروازے سے نکلتا ہے۔ تو دل میں جب تک ہو اُس وقت تک خدا رحمت نازل نہیں کرتا۔ جب زبان سے نکلے اور گواہی موجود ہو جائے تو اللہ ﷻ فرماتا ہے: یہ میرا بندہ ہے۔ ویسے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے پکارتا نہیں۔ قرب کے نشے دیتا ہے پکارتا نہیں۔ لیکن جب بندہ پکارتا ہے تو خدا بھی جواب دیتا ہے، کیونکہ اُس کا حکم ہے:

فَاذْكُرُوْنِىٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِo

() البقرة، ۲: ۱۵۲

سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کروo

تو بندہ جب کہتا ہے: یا اللہ! تو رب تعالیٰ قبول کر کے فرماتا ہے یا عبدی! اے میرے بندے! تو دونوں کا رابطہ کتنا قریب ہو گیا۔

تو حضرت رومیؒ آخر میں فرماتے ہیں:

آمد از وی بایزید اندر مزید

منتہی در منتہا آخر رسید

حضرت بایزید بسطامیؒ پہلے بھی ولایت کاملہ کی منزل اعلیٰ پر فائز تھے۔ بایزیدؒ کو پہلے بھی فنا و بقا کے سارے راز معلوم تھے۔ وہ اللہ کے رازوں میں سے ایک راز تھے لیکن اُس ولی اللہ کی محفل کے بعد:

منتہی در منتہا آخر رسید

وہ بیش از بیش پہلے سے زیادہ مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ اور وہاں پہنچے جہاں ولی کے لیے آگے کوئی منزل نہیں ہوتی اور وہاں پہنچے جہاں ولی کے لیے اُس سے آگے کوئی مقام نہیں اور اُس سے آگے نبوت کی پرواز ہوتی ہے۔

لیکن ولایت کی انتہا تک۔ اُس ولی اللہ ﷻ نے اپنی بارگاہ میں بٹھا کر تمام مراتب سے آگاہ ہی نہیں کیا بلکہ اُس پر فائز کر کے اور تمام جو سربستہ راز تھے وہ کھول کے، ایک ایک چیز بتا کے فرمایا: جو وہاں جا کے تجھے ملنا تھی اُس سے زیادہ مجھ سے مل گئی۔ اب واپس جاؤ۔ اُس وقت سے لے کر آج تک شیخ کا تو پتہ نہیں لیکن بایزید بسطامیؒ کا چاند آسمان پر چمک رہا ہے۔

حضرات! یہ وہ راہِ عشق و محبت ہے، یہ وہ ادائے مصطفیٰ ﷺ اور سنت مصطفیٰ ﷺ کی پاکیزہ لذیز کیفیات ہیں کہ جو اس راہ پر گیا محبت کا زادِ سفر لے کے گیا۔ اطاعت مصطفیٰ ﷺ کی پونجی لے کے گیا اور محبت و شوق کی وادیوں میں وارفتگی سے گزرتا گیا۔ ان پر سے اللہ ﷻ بشری حجاب دور فرما کر، کثافتوں سے نکال کر جب لطافتوں میں سیر کراتا ہے تو اپنے ذاتی جلوؤں سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ مومن بہت بڑی بات ہے۔ اس لئے شیخ کامل کی ضرورت ہے کہ وہ ان مقامات پر انسان کو پہنچا کر حق خدمت ادا کرے۔ اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو۔

آمین۔ اللہ جل جلالہ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ۔

اللہ کریم آج کی اس محفل کو نبی علیہ السلام کی نسبت اور جناب رومیؒ کی معرفت اور وسیلے سے قبولیت عطا فرمائے۔ اللہ ﷻ بایزید بسطامیؒ، جناب رومیؒ اور نبی اکرم ﷺ کے سارے مقبول، محبوب غلاموں کے وسیلے سے آج کی اِس محفل کو قبول فرما کر سب کے پچھلے سب گناہ معاف فرما اور سب کو آنے والی سب نیکیاں نصیب

فرما۔ بیماری، پریشانی، دُکھ، زوال اور وبال سے سب کو نجات عطا فرما اور سب کے گھروں میں جہاں کوئی ہے سکون، آرام، اتفاق اور برکت کی فضا قائم فرما۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ o وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o
بِرَحْمَتِکَ یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

دفتر اوّل

نشست پنجم

آتشست ایں بانگ نای و نیست باد

ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

بانسری کی یہ آواز آگ ہے ہوا نہیں۔ جس میں یہ آگ نہ ہو وہ نیست و نابود ہو۔

آتش: بانسری میں جو سوزِ عشق ہے۔

آتش عشقست کاندر نی فتاد

جوشش عشقست کاندر می فتاد

عشق کی آگ جو بانسری میں لگی ہوئی، عشق کا جوش ہے، جو شراب میں آیا ہے۔

اور شراب میں جوشِ عشق عشقِ حریف، ہم پیشہ، دوست، دشمن دونوں معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔

نی حریف ہر کہ از یاری برید

پردہ ہا اش پردہ ہای ما درید

بانسری اُس کی ساتھی ہے جو یار سے کٹا ہو۔ اس کے راگوں نے ہمارے دل کے پردے پھاڑ دیئے۔

حریف: ہم پیشہ، دوست، دشمن دونوں معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ.

() **الذاریات، ۵۱: ۵۰**

پس تم اللہ کی طرف دوڑ چلو۔

صدق اللہ مولٰنا العظیم.

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

انتہائی محترم، سنجیدہ اور شراب عشق کا کوئی قطرہ لینے کے بعد نشے اور مستی میں وقت گزارنے والے خوش نصیبو! آج مثنوی شریف کا پانچواں درس ہے، یہ پانچویں محفل ہے۔کل جہاں پہ آ کر بات رُکی تھی وہ تھی:

تن زجان و جاں زتن مستور نیست
لیک کس را دید جاں دستور نیست

بدن روح سے اور روح بدن سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔لیکن کسی کے لیے روح کو دیکھنے کا دستور نہیں ہے۔ روح دل سے، جسم جان سے اور جان جسم سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی حقیقت کیا تھی؟ وہ تو کل قدرے تھوڑا تھوڑا بیان کردیا ہے۔ وقت کی مہلت نہ ہوتو اس میں بسط وتفصیل کا ایک سمندر ہے لیکن میں اسے اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔اس لئے کہ دن بھر کا روزہ، رات کی تھکن، پھر سحری کے وقت اٹھنا۔لیکن میرا خیال ہے کہ مثنوی سننے کے بعد سحری کے وقت اٹھنے کا جو نشہ ہے وہ کوئی عجیب ہی ہے۔لیکن آج کا جو درس ہے اس درس کی ابتدا یوں ہے۔

آتشست ایں بانگ نای و نیست باد
ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں: کہ جو بانسری بجتی ہے، اس کی جو آواز ہے اور اُس میں جو ساز ہے اور ساز میں جو راز ہے یہ تو آگ ہے۔کیا فرماتے ہیں: وہ مثنوی شریف کا یہ شعر:

آتشست ایں بانگ نای و نیست باد

یہ بانسری بج رہی ہے اس کی جو آواز ہے، آواز کا جو ساز ہے، ساز میں جو راز ہے یہ تو سراسر آگ ہے۔

کہاں سے آگ آئی؟ پھونکنے والے یہ تیری ہوا نہیں ہے جو منہ سے نکلتی ہے یہ آگ ہے، یہ آتش عشق ہے، عشق کی آگ ہے۔

ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

جس کو یہ آگ محبت کی، یہ لذت عشق کی، یہ سوز و ساز محبت کی نصیب نہیں ہے نیست باد (اسے زندہ رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے)۔

مجھے حیرت ہے جس کو تڑپ نہیں، سوز نہیں، ساز نہیں، راز نہیں، عشق نہیں اور آنسو نہیں، آہ نہیں، سوز و گداز نہیں، عشق کی جولانیوں میں دل جلتا نہیں، روح پھڑکتی نہیں وہ زندہ کیوں ہے؟ اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: حقیقت میں آدمی ہی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو درد لے کے آئے ہیں اور ایک وہ جو بے درد ہو کے آئے ہیں۔ ایک درد لے کے آئے ہیں اور ایک بے درد ہو کے آئے ہیں۔ درد لے کے جو آئے ہیں اُن کے سامنے درد کی بات چھیڑو، اُن کو پوچھنے کی ضرورت اس لیے نہیں ہوتی کیونکہ اُن کے خشک لب، زرد چہرہ اور آنکھوں سے ٹپکتے آنسو بتاتے ہیں کہ روتے کیوں ہیں؟ آنسو دلیل ہیں اُس درد کی جو ازل سے روح لے کر آئی ہے۔

جب اُس کو چھیڑتے ہیں تو محبوب نظر نہیں آتا۔ جب چھیڑتے ہیں یار نظر نہیں آتا۔ جب چھیڑتے ہیں ملاقات نہیں ہوتی۔ تو جب چھیڑتے ہیں اللہ غنی یہ جو ساز ہے نا یہ رباب اور ستار وغیرہ جتنی ان میں تاریں ہیں ان پر ہاتھ لگاؤ تو ان سے عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں۔

تو جناب رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ساز میں سے جو آواز آتی ہے ٹھیک ہے تم اُس کے ساتھ دم ساز ہو جاؤ، لیکن تیرے اندر جو 360 رگیں، 360 تاریں ہیں اُن کو کیوں نہیں ہلاتے؟ لیکن بڑی بات ہے کہ یہ دنیا میں بنایا ہوا ساز ہے۔ جو جانتا ہوگا تو چلائے گا۔ یہ ساز جو سامنے ہے یہ جو چلتا پھرتا ساز ہے یہ سنتا، سناتا، بولتا ساز ہے۔ جب یہ رونے لگے تو فرشتے روتے ہیں، جب یہ تڑپنے لگے تو عرش کے کنگرے ہلتے ہیں، اس لیے یہ ساز ہمارا نہیں اُس خالق کا ساز ہے جس نے اپنی قدرتوں سے اُس کے اندر رکھ دیا ہے۔ یہ تو اُس کا ساز ہے، وہ چھیڑتا ہے اُن کو۔

تو یہاں آ کے جناب رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آتشست ایں بانگ نای و نیست باد

ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

پتھر بھی کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں اُن کو جب توڑو تو پانی کی نہریں نکل آتی ہیں۔ کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں پتھر جب توڑو تو چشمہ نکلتا ہے۔ بعض پتھر تو ایسے ہیں خوف خدا کی وجہ سے اُن پر زلزلہ طاری ہوتا ہے اور گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

اے انسان! تجھ پر تو سازِ محبت کے کتنے راز پھینکے لیکن تیرا دل نہیں ہلتا۔ تم سے تو وہ پتھر اچھا ہے جو خدا کے خوف سے لرز جاتا ہے اور سعدیؒ فرماتے ہیں کہ:

اُس انسان کو تو زندہ ہی نہیں رہنا چاہیے جس انسان سے پتھر بہتر ہے۔ اس لیے اے انسان! ازل

سے جو تیرے اندر عشق و محبت ہے اُس کو ذرا بیدار فرما۔ اور آگے بڑی خوبصورت بات کرتے ہیں کہ:

دو ہی تو چیزیں ہیں ایک 'نے، ہے اور ایک 'مئے،۔ جناب رومیؒ کیا فرماتے ہیں؟ کہ ایک 'نے، ہے اور ایک مئے۔ 'نے، ہوئی بانسری اور مئے ہوئی شراب۔ 'نے، کس کو کہتے ہیں؟ بانسری کو اور مئے شراب کو۔ اللہ غنی! بعض لوگ تو شراب خانے سے کچھ شراب لے کے آتے ہیں۔ اے نَے! تو خود مستقل اپنا میخانہ ہی لے کے آ گئی۔ایک 'نے، ہے اور ایک مئے۔ یہاں آ کے وہ بڑا عجیب نقشہ کھینچتے ہیں کہ 'نے، سے مراد عاشق ہے اور مئے سے مراد معشوق ہے۔ اُس شراب سے جو معشوق کی بارگاہ، جس میخانے سے شراب تقسیم ہوئی ہے جس جس روح کو ملی وہ عاشق ہوگئی اور جب عشق اپنی جولانیاں اور درد و لذت کی کیفیت چھیڑتی ہے تو پھر معشوق کو بھی وہ پیار آتا ہے۔ اس واسطے وہ (معشوق) بھی اس پیار میں اپنے عاشق کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ لیکن درمیان میں پھر حجاب آتا ہے تا کہ یہ تڑپتا رہے اور میں مزے لیتا رہوں۔

آپ نے دیکھا ہے؟ دریا جب اچھل اچھل کے جاتا ہے رنگ اور ہوتا ہے لیکن جب سمندر میں داخل ہوتا ہے تو پتہ نہیں لگتا دریا کدھر گیا۔ اس طرح یہ عاشق تڑپتے رہتے ہیں اور جب ملاقات ہوتی ہے تو ایسے جیسے دریا سمندر میں جا کے گم ہوگیا۔ عاشق کو جب پردہ اٹھانے کے بعد معشوق سے ملاقات نصیب ہوتی ہے تو یہ تڑپنا پھڑکنا ختم ہو جاتا ہے۔ معشوق یہ کہتا ہے: مجھے بھی آپ کا وصل اچھا لگتا ہے، لیکن اس سے پہلے تیرا رونا تڑپنا مجھے بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ یہاں آ کے وہ چھیڑتے ہیں بات کہ:

آتش عشقست کاندر نی فتاد

جوشش عشقست کاندر می فتاد

ایک ہے آتش عشق اور ایک ہے جوش عشق۔ یہ دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے عشق کی آگ اور ایک ہے عشق کا جذبہ۔ یہ دو چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ آگ لگی عاشق کو اور جذبہ ملا معشوق کو تو جلوے سے پردہ اٹھ کر پہلی کرن عاشق پر پڑتی ہے تو وہ جذبہ اُس کو رُلانا شروع کر دیتا ہے۔ آگ لگ جاتی ہے اُس کو۔

آتش عشقست کاندر نی فتاد

جوشش عشقست کاندر می فتاد

معلوم ہوا جب عاشق (بندۂ مقبول) اور معشوق (رب تعالیٰ) دونوں کے درمیان رابطہ ہوگیا تو حضرت عطارؒ بولتے ہیں:

کفر کافر را ودیں دیندار را

ذرہ دردِ دل عطار را

کفر جانے اور کافر جانے۔ اسلام جانے اور مسلمان جانے۔ میں عطار ہوں مجھے ایک درد دے۔ مجھے دردِ لذت کی ایک کیفیت عطا فرما۔ لذت دے اپنے درد کی اور اُس کی ایک کیفیت عطا فرما۔ تو پوچھا ہے وہ کیا؟ کہ کفر کافروں کو، اسلام مسلمانوں کو، آپ بھی تو کامل درجے کے مسلمان مومن ہیں تو آپ نے یہ سب چیزیں ہٹا کے کہا کہ لذت درد چاہیے۔

تو وہ فرماتے ہیں کہ لذت درد کی ابتدا بتاؤں یا انتہا؟ نہیں جی انتہا بتاؤ۔ کہ ابتدا روتے روتے جب در محبوب پر پہنچتے ہیں اور سر سجدے میں چلا جائے اور سبحان ربی الاعلیٰ سے دستک دی جائے تو دروازہ کھلتا ہے تو محبّ، محبوب اور عاشق و معشوق جب ملتے ہیں تو معشوق رہتا ہے عاشق نہیں رہتا۔ تو یہ وہ بندۂ کامل کہ جس بندۂ کامل نے یہاں آئے اپنے قرب کا مقام چھیڑا ہے کہ ہر وقت چلتے ہوئے، بیٹھتے ہوئے، لیٹے ہوئے جاگتے ہوئے، کھاتے ہوئے پیتے ہوئے، تنہائی میں یہ بولتا چلا جاتا ہے اور ہر ایک کو دیکھتا ہے جس کا چہرہ زرد نظر آئے اور آنکھوں میں آنسو نظر آئیں تو یہ نَے (بانسری)۔ عاشق یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس کو بھی ہجر نصیب ہے۔ یہ بھی بچھڑا ہوا ہے۔ اس کو بھی معشوق کے ہجر کا تیر لگا ہوا ہے۔ یہ بھی زخمی ہے، میں بھی زخمی ہوں۔ جب یہ دونوں بیمار اکٹھے ہو کر بیماری عشق کا ذکر کرتے ہیں تو معشوق بھی قریب ہو کے دونوں کی باتیں سن کے لذت لیتا ہے۔

تو یہاں آ کے وہ فرماتے ہیں:

نی حریف هر که از یاری برید

پرده ها اش پرده های ما درید

ہم سال سال روتے رہے، زندگی بھر روتے رہے لیکن دل پر جو پردہ آیا تھا وہ حجاب نہیں اٹھا۔ ہم جنس اپنے محبوب سے بچھڑا ہوا، تیر محبت سے اُس کا روح و دل زخمی، میرے سامنے آئے تو وہ میرا حریف اور میں اُس کا حریف۔ اُس نے مجھ سے بات کی اور میں نے اُس سے بات کی۔ دونوں پر سے دل کے پردے اٹھے۔ پتہ چلا کہ یہ بھی وہیں کے ہیں اور وہ بھی وہیں کا ہے اور میں بھی وہیں کا ہوں۔

نی حریف هر که از یاری برید

پرده ها اش پرده های ما درید

عاشق صادق اپنے محبوب سے اس دل گداز سروں کے ساتھ پردے اٹھاتے چلے جاتے ہیں۔

پردے اٹھائے کیوں؟ اس لئے کہ جب روحیں ازل میں اپنے محبوب کے ساتھ تھیں تو رب العالمین کا

نظارہ لے رہی تھیں۔ روحیں اپنے محبوب کے جلوؤں کا نظارہ لے رہی تھیں اور جب دنیا میں آئیں تو بغیر نظارے کے بھی وہ بھیج سکتا تھا کیونکہ آنا تو ادھر ہی تھا۔ نظارے کے بغیر بھیج سکتا تھا اور کسی کو بھیجا بھی ہے۔ کچھ نظارے کے بغیر روحیں آئی ہیں اور کچھ روحیں نظارے لے کے آئی ہیں۔ کچھ دیدار کر کے آئی ہیں اور کچھ بغیر دیدار کے آئی ہیں۔ جو بغیر دیدار کے آئی ہیں انہیں سو دفعہ قرآن پڑھ کر سناؤ وہ سنتے ہی نہیں ہیں۔ انہیں اللہ رب العزت کا نام سنائی دے تو وہ کہتے ہیں: ہم جانتے ہی نہیں ہیں۔ انہیں درِ رسول ﷺ دکھاؤ وہ بولتے ہی نہیں۔ انہیں درِ محبوب دکھاؤ تو وہ بغل میں کسی اور کو لیے پھرتے جا رہے ہیں کہ یہ میرا محبوب ہے۔ اور جس کو دیدار مل گیا اُس بچھڑے ہوئے کو جب وہ ازل کے درد کی کیفیت بانسری سناتی ہے تو وہ سامنے دیکھنا شروع کر دیتا ہے کہ یہ آواز کدھر سے آئی ہے، یہ تو میرے محبوب کی آواز ہے۔

یہ رنگت اُدھر کی ہے، یہ آواز اُدھر کی ہے، یہ ساز اُدھر کا ہے، یہ دلگداز کیفیت اُدھر کی ہے۔ تو جب یہ دونوں اکٹھے ہوتے ہیں تو پھر پیار سے ایک دوسرے کی باتیں کرتے ہیں۔ اور پھر اُدھر کی باتیں کرتے ہیں۔ تجھے کیسے نظارہ ملا تھا؟ تجھے کیسے نظارہ ملا؟ ارے سنو! یہ نظارے کی کیفیت پوچھتے ہو، ہم چنگاری رکھتے ہیں تمہارے ہاتھ پر ہاتھ جلے نا پھر میں پوچھتا ہوں۔

جلا ہے ہاتھ؟ درد ہوا ہے؟ بتاؤ یہ جو درد ہے یہ لمبا ہے، چوڑا ہے، گول ہے، سفید ہے، سبز ہے، سیاہ ہے، کیسا ہے؟ نہ رنگت جانو، نہ اُس کی لمبائی جانو، نہ چوڑائی جانو، نہ تکون شکل جانو، نہ مستطیل کیفیت سمجھو۔ درد نہیں سمجھتے جو تیرے اندر ہے۔ تو اُس یار کی یاری کی وہ لذت کی کیفیت کو کیسے بیان کرو گے؟ اس لئے آؤ سب مل کر گیت گائیں اور یار کو منائیں۔ وہ جب سامنے آئے تو پھر عبادت کی ضرورت کیا ہے؟ جب معنیٰ مل جائے، معنیٰ میں کیف مل جائے، کیف میں مستی مل جائے، مستی میں جذب مل جائے، جذب میں وصل مل جائے تو پھر حرم کی ضرورت کیا ہے؟

دار العلوم محمدیہ صدیقیہ

تو وہ یہاں بڑی پیاری بات فرماتے ہیں کہ:

نی حریف هر که از یاری برید

پرده ها اش پرده های ما درید

ہم عالم ناسوت میں رہتے ہیں۔ جب پردے اٹھتے ہیں تو رہتے ناسوت میں ہیں، ناسوت اُس دنیا کو کہتے ہیں جس کو عالم فناء کہتے ہیں۔ جس پر موت طاری ہوتی ہے، جس پر فنا وارد ہوتی ہے۔ عالم ناسوت اُس کثافت کو کہتے ہیں جہاں گناہ بھی ہے اور نیکی بھی، جہاں ہجر بھی ہے اور مستی بھی، جہاں معصیّت بھی ہے، جہاں سب کچھ ہے، یہ ناسوت ہے۔ ہم ناسوت میں رہ کر جب لاہوت کی بات کرتے ہیں تو وہاں دوسری کوئی شئے

نہیں وہاں محبوب ہی محبوب ہے۔ یہاں تو جب پردے اٹھتے ہیں تو ہم اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس مقام پر کوئی پہنچتا ہے جہاں وصلِ محبوب کی مسرت، لذت اور محویت ملتی ہے تو وہاں دوسرا نہیں رہتا۔

حضرات گرامی! اسی طرح رمضان شریف کے مہینے کا کیف آور موسم تھا۔ لطافت کی گھڑی آئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بستر پر سے اٹھیں دیکھتی ہیں کہ تاجدار کائنات ﷺ اپنے بستر مبارک پر نہیں ہیں تو خیال آیا کہ حضور ﷺ گاہے بگاہے ریاض الجنۃ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپؓ ریاض الجنۃ میں چلی گئیں۔ جا کے دیکھا تو حضور ﷺ کو سجدے میں پایا اور بڑی دیر ہوگئی ہے سجدے میں۔ حضور ﷺ سجدے سے جب اٹھ کے بیٹھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرتی ہیں: السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ! عموماً عورتیں اپنے شوہروں کا نام لے کر پکارتی ہیں اور شوہر محبت سے نام لے کر پکارتا ہے۔ اور دوست دوست کا نام لے کر پکارتے ہیں۔

لیکن نہیں ثابت کے سید الانبیاء ﷺ کو کسی صحابی نے اور امہات المومنینؓ میں سے کسی زوجہ معظّمہ محترمہ نے نبی پاک ﷺ کو یا محمد ﷺ کہہ کے پکارا ہو۔ بلکہ:

يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ! يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ!

تَعْظِيْمُ النَّبِيِّ وَتَوْقِيْرُهُ وَأَنْ لَا يُنَادُوْهُ كَمَا يُنَادِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

() شوكاني، فتح القدير، ۵: ۵۹

حضور نبی اکرم ﷺ پر قربِ الٰہی کے بعض لمحات ایسے بھی گزرتے تھے کہ آپ ﷺ بجز ذاتِ حق کے کسی کو نہ پہچانتے تھے۔

چنانچہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ اُس وقت خاص معیت اور قرب کی تجلیات میں محو تھے۔ غلبہ حضور مع الحق کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہچان نہ سکے اور دریافت فرمایا:

مَنْ أنتِ؟

تم کون ہو؟

عرض کیا:

أنا عائشة.

میں عائشہ ہوں۔

پھر بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ پہچانا۔ لہٰذا پھر دریافت کیا:

مَنْ عائشة؟

کون عائشہ؟

عرض کیا:

بِنتُ أبی بَکْرٍ.

ابوبکر کی بیٹی۔

پھر بھی آپ کو اس حالت میں آفاقہ نہ ہوا اور دریافت فرمایا:

مَنْ أبو بَکر؟

کون ابوبکر؟

عرض کیا:

اِبن أبی قُحَافَة.

ابوقحافہ کے بیٹے۔

پھر آپ نے دریافت فرمایا:

مَنْ أبو قُحَافَة؟

کون ابوقحافہ؟

العلم نور
دار العلوم محمدیہ صدیقیہ

تب حضرت عائشہ صدیقہؓ پر وحشت اور خوف کا غلبہ ہوا اور چپکے سے واپس ہو گئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر یہ خطاب اور جواب سننے کے بعد کپکپی طاری ہو گئی، لرزہ بر اندام واپس لوٹیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سید کائنات ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرما ہوئے تو عائشہ صدیقہؓ کو پریشان اور حیرت زدہ پایا، بعد میں فرمایا: عائشہ! آپؓ کچھ خوش نظر نہیں آئیں؟ پریشان ہیں آپؓ ماجرا کیا ہے؟ یا رسول اللہ ﷺ! میں تو حیرت میں ہوں کہ ایسا بھی موقع آ سکتا ہے کہ آپ ﷺ مجھے بھول جائیں۔ فرمایا: نہیں، کیا ایسا موقع آ پائے گا کہ آپ صدیق اکبرؓ کو بھی بھول جائیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: آج تو بھول گئے آپ۔ فرمایا: میں تو کبھی نہیں بھولا۔ کہاں تھیں آپ اور میں کہاں تھا کہ بھول گیا تھا؟ ذرا یاد کرواؤ۔ حضور! میں ریاض الجنہ میں گئی آپ تشریف فرما تھے، میں

نے کہا: السلام علیکم! تو آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہو تم؟ میں آپ کو جانتا ہی نہیں۔ میں نے کہا: میں صدیق اکبرؓ کی بیٹی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں جانتا ہی نہیں ہوں صدیقؓ کو۔ حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

لِیْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرسَلٌ.

() عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۲۲۶

(اے عائشہ!) مجھ پر اللہ کے قرب و معیت میں کبھی کبھی ایسا خاص وقت آتا ہے کہ اس میں نہ تو مجھ تک کسی نبی مرسل کی رسائی ہوسکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کی۔

مولائے رومؒ فرماتے ہیں:

نی حریف ہر کہ از یاری برید

پردہ ھا اش پردہ ھای ما درید

ازل کے بچھڑے ہوئے جب ملتے ہیں پھر کسی کی یاد نہیں رہتی۔ حضرات گرامی! یہ محبت کا سفر ہے، یہی تو زندگی ہے۔ یہ زندگی نہیں تو زندگی کیا ہے؟ نہیں اس کے سوا کوئی زندگی۔

حضور سید عالم ﷺ سب پاکیزہ روحوں کے ازل کے گواہ ہیں۔ سب پاکیزہ ارواح کے ازل سے گواہ ہیں کون بدنصیب ہے کون خوش نصیب ہے، کون دور ہے کون قریب ہے، کون مستیء عشق میں ڈوبا ہوا ہے کون محروم ہے اور کون ہے جو لب دریا کاسہ لے کر صدائیں دے رہا ہے اور کون ہے جو دریا میں غوطے لگا رہا ہے؟ تو سید عالم ﷺ سب کو اسی طرح جانتے ہیں۔ اسی لیے اس آیت:

وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا.

() البقرۃ، ۲: ۱۴۳

اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔

کے تحت مفسرین کرام لکھتے ہیں:

وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا، أی شَاهِدًا عَلَی مَنْ آمَنَ بِالْإِیْمَانِ وَعَلَی مَنْ کَفَرَ بِالْکُفْرِ وَعَلَی مَنْ نَافَقَ بِالنِّفَاقِ.

() نسفی، تفسیر، ۱: ۲۲۳

نبی کافروں کے کفر کے گواہ، منافق کے نفاق کے گواہ اور مومن کے ایمان کے گواہ ہیں۔

اس لئے جب ازل میں اکٹھے ہوئے تو یہاں آ کے بچھڑے، تو نبی پاک ﷺ نے پھر وہ صدائے عشق

دی تو جن جن کے پردے اٹھتے چلے گئے نبی پاک ﷺ سب کو دیکھتے چلے گئے۔

نبی حریف هر که از یاری برید

پرده ها اش پرده های ما درید

اب سید عالم ﷺ جس کے سینے پر ہاتھ پھیرتے تھے علم کا خزانہ، معرفت دیتے تھے اور کسی کو دیکھتے تھے تو محبت کی شراب پلاتے تھے۔ کسی کو پاس بٹھایا تو جنت کی سیر کرا دی۔ یہ عاشقوں کی بات چل رہی تھی نا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر وقت قریب بیٹھے رہتے تھے۔ تو اُن کو فرمایا:

يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا.

() **ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۲۸**

میرے پاس بیٹھے رہتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ بار بار ملنے سے محبت میں کمزوری ہوتی ہے۔ دیر دیر سے ملا کرو تا کہ محبت میں اضافہ ہو۔ مذاق میں فرمایا۔

یہ حدیث ہمارے جن دوستوں نے سنی ہے وہ بہت کم ملتے ہیں ہمیں اور دو چار سالوں میں کبھی ایک دفعہ ملتے ہیں تا کہ محبت کم نہ ہو۔

بہر کیف ضمناً بات آ گئی۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانِ عالی سے مستفیض ہوئے، اٹھے گھر کو چل دیے اور تھوڑی دیر ہوئی واپس آ گئے۔ ابو ہریرہؓ گھر نہیں گئے؟ گیا تو تھا حضور، باہر نہیں گئے؟ باہر ہی تو تھا۔ پھر کیسے واپس آ گئے؟ میں نے کہا تھا دیر سے آیا کرو۔ یا رسول اللہ ﷺ! ایک زمانہ ہی گزر گیا، میں تو ایک زمانے کے بعد آیا ہوں۔ تو یہاں جامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کلام نقل کیا کہ:

چه حسنت آنکه در یکدم رخت را صد نظر بینم

هنوزم آرزو باشد که یک بار دگر بینم

یا رسول اللہ ﷺ! سو مرتبہ بھی میں دیکھ لوں میرے آقا ﷺ ہزار مرتبہ بھی میں آپ ﷺ کو دیکھ لوں تو پتہ چل جائے کہ ہزار دفعہ میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ پاک کی زیارت کی ہے تو پھر اندر سے آواز آتی ہے کہ ایک بار اور دیکھ لے۔

کیا میں اس شعر کا ترجمہ پنجابی میں نہ کر لوں؟ آپ چاہیں تو پنجابی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ میرے اور بھی ممالک میں سامعین ہوں گے اور ناظرین۔

دل کرده سوهنیا هر ویلے تینوں کول بہا کے تکدا رهواں

ایہہ جسم سارا اَکھ ہو جاوے محتاج نہ میں اك اَکھ دا ہواں

میرا بال بال آنکھ بن جائے، میری رَگ رَگ آنکھ ہو جائے، عضوعضو آنکھ ہو جائے۔ جدھر بھی میرا محبوب ہو اُدھر دیدار کرتے رہیں۔ ہرلمحہ مجھے دید سے عید ملتی رہے۔ اسی لئے فرمایا:

نی حریف ہر کہ از یاری برید

پردہ ھا اش پردہ ھای ما درید

معزز حاضرین! آپ نے جس ادب، احترام اور محبت سے ذوق وشوق اور وجدانی کیفیت سے اپنے محبوب کی اداؤں میں سے ایک ادائے محبت سماعت کی ہے اور اس کے جو اثرات آپ کے چہروں، آپ کی پیشانیوں، آپ کی آنکھوں سے بالکل وجدانی کیفیت نظر آ رہے ہیں، لگتا ایسا ہے یہ باغ میرے آقا ﷺ کا ہے اور وہ اب اس وقت باغ کو اپنے وصل کا پانی دے رہے ہیں۔

رب العالمین یہ کیفیت سلامت رکھے۔ آج کی محفل میں اسی پر اکتفا کرتے ہیں، کل ان شاء اللہ العزیز چھٹا درس ہوگا مثنوی شریف کا اُس میں وصل کی کیفیت پر زور دیا جائے گا کہ جب وصل ہوتا ہے تو کیفیت کیا ہوتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد ﷺ وآلہ وأصحابہ أجمعین. برحمتک یا أرحم الراحمین.

دار العلوم محمدیہ صدیقیہ